امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد اردو ترجمان

ماہنامہ شریعت

جلد 7 دسمبر 2018ء بمطابق ربیع الثانی 1440ھ شمارہ 10

امریکا کا متضاد کردار اور امارت اسلامیہ کا
معقول اور نتیجہ خیز موقف

امریکا اور طالبان 2018ء میں

فتوحات اور میڈیائی پروپیگنڈے

مذاکرات اور کابل انتظامیہ

جہادی محاذ کی برکت

طالبان کی سیاسی برتری

فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وعن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إذا كانوا ثلاثة فلا يتناجى اثنان دون الثالث" (متفق عليه). ورواه أبو داود وزاد: قال أبو صالح: قلت لابن عمر: فأربعة؟ قال: لا يضرك. ورواه مالك في الموطأ: عن عبد الله بن دينار قال: كنت أنا وابن عمر عند دار خالد بن عقبة التي في السوق، فجاء رجل يريد أن يناجيه، وليس مع ابن عمر أحد غيري، فدعا ابن عمر رجلا آخر حتى كنا أربعة فقال لي وللرجل الثالث الذي دعا: استأخرا شيئا، فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا يتناجى اثنان دون واحد.

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تین آدمی ہوں تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں۔ (بخاری و مسلم) اسے ابوداود نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں ابوصالح (راوی) نے یہ اضافہ بھی بیان کیا ہے کہ میں نے ابن عمر سے کہا: اگر چار آدمی ہوں تو؟ وہ بولے (تو کوئی حرج نہیں) اس لیے کہ یہ چیز تم کو ایذا نہ دے گی۔ اور اسے امام مالک نے موطا میں عبداللہ بن دینار سے روایت کیا، انہوں نے کہا کہ میں اور حضرت عبد بن عمر رضی اللہ عنہما خالد بن عقبہ کے اس مکان کے پاس تھے جو بازار میں ہے، پس ایک آدمی آیا جو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سرگوشی کرنا چاہتا تھا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ میرے سوا کوئی اور نہیں تھا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک اور شخص کو بلایا یہاں تک کہ ہم چار ہو گئے تو انہوں نے اس مجھ سے اور اس تیسرے شخص سے جسے انہوں نے بلایا تھا کہ تم دونوں تھوڑا پیچھے ہٹ جاؤ اس لیے کہ میں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں۔

فرمان امیر المومنین هبة الله اخندزاده حفظه الله

اے افغان مجاہد عوام!

غاصب دشمن تمہارے مقابلے کے ہر محاذ پر شکست سے دوچار ہے۔ دشمن نے صرف میڈیا کے ذریعے مجاہدین کے خلاف پروپیگنڈے کے سلسلے کو ہوا دی ہے۔ وہ کبھی مجاہدین کو دہشت گرد کہتا ہے۔ کبھی ان کی برحق دفاعی مزاحمت کو مختلف غلط اور بے بنیاد نام دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجاہدین تمہارے بھائی اور بیٹے ہیں۔ تمہارے دین اور ملک کے محافظ ہیں۔ اگرچہ دشمن کا حامی میڈیا جو بھی کہتا رہے، مگر تمہیں تو حقیقت بخوبی معلوم ہے۔ اس لیے دشمن کے پروپیگنڈے پر یقین مت کریں۔ اپنے حواس اور علم پر اعتماد کریں۔ امارت اسلامیہ صرف یہ چاہتی ہے کہ آپ کی زندگی قرآن کریم کی ہدایات سے منور ہو جائیں۔ معیاری تعلیم، شرعی نظام، آزادی، وقار، سربلندی اور پرامن زندگی میسر ہو جائے۔ آئندہ نسلیں کفریہ جارحیت کے تباہ کن اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔ ہم دینی اور عصری علوم کو افغان معاشرے کی کامیابی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔

امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد اردو ترجمان

ماہنامہ شریعت

جلد ۷/ ربیع الثانی ۱۴۴۰/ دسمبر ۲۰۱۸/ شمارہ ۱۰

مدیر اعلی: ولید افغان

نائب مدیر: شمس ابدالی

مجلس مشاورت

ملا اسد افغان — ہارون بلخی

اکرم تاشفین — محمد فرہاد جانباز

سیف العادل احرار

ڈیزائننگ: مولوی محمد فاروق

قیمت فی شمارہ 50 روپے

سالانہ 500 روپے

سالانہ زر تعاون

امریکا، آسٹریلیا، افریقا، یورپی ممالک: 40ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارت: 30ڈالر

بنگلہ دیش: 28ڈالر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

’ماہنامہ شریعت‘ امارتِ اسلامیہ افغانستان کا اردو زبان میں واحد اور باضابطہ دینی، ثقافتی اور سیاسی مجلہ ہے۔ یہ امارت اسلامیہ کے رسمی ’میڈیا و ثقافتی کمیشن‘ کی جانب سے شایع ہوتا ہے۔ ماہنامہ شریعت افغانستان میں جاری اسلام و کفر کی کشمکش، سیاسی و جہادی واقعات و حالات اور ستم رسیدہ مسلمانوں پر روا رکھے جانے والے انسانیت سوز مظالم کا سچا اور چشم دید عکاس ہے۔

عکس دروں

امریکہ کا متضاد کردار اور امارت اسلامیہ کا معقول اور نتیجہ خیز موقف	2
مذاکرات اور کابل انتظامیہ	3
پہلی عالمی جنگ کی ایک صدی	5
امریکا اور طالبان 2018ء میں	8
امریکا نے شکست کا اعتراف کیا	10
مذاکرات اور امریکی دہشت گردی	12
افغان جنگ کے مذاکرات!	14
امریکا، طالبان اور مذاکرات	16
طالبان کے ترانوں کی بازگشت	17
سیاسی دستار بندی اصلاحات	19
خلیل زاد کی مذاکراتی جدوجہد	22
یمن میں جنگ بندی کا امکان	24
جمہوریت کی جنسی بے راہ روی!	26
طالبان کی سیاسی برتری	27
خلیل زاد کا تیسرا دورہ	29
ملا عبدالمنان شہید	30
امریکا واقعی امن چاہتا ہے!؟	31
امریکا کی بڑھتی درندگی	32
امریکا کی احمقانہ پالیسی	33
سانحہ کنڑ	34
عوام کی ذمہ داری	35
اشرف غنی کی مجرمانہ خاموشی	36
جہادی محاذ کی برکت	37
فتوحات اور میڈیائی پروپیگنڈے	38
فرعونیت نئے روپ میں	39
جنگی جرائم (اکتوبر)	40
افغانستان دسمبر 2018 میں	41

Twitter: www.twitter.com/shariatmagazine1
Facebook: www.facebook.com/shariatmagazine
Web: www.alemarahurdu.com
E-mail: shariatmagazine@yahoo.com
WhatsApp: 0093708638285

امریکہ کا متضاد کردار اور امارت اسلامیہ کا معقول اور نتیجہ خیز موقف

17 اور 18 دسمبر 2018 کو امارت اسلامیہ کے سیاسی نمائندوں اور زلمی خلیل زاد کی قیادت میں امریکی وفد کے ساتھ ابوظہبی میں بالمشافہ مذاکرات ہوئے۔ دو روزہ ان مذاکرات میں امارت اسلامیہ اور امریکی نمائندوں کے علاوہ پاکستان، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کے نمائندے بھی شریک رہے۔

امریکیوں کا امارت اسلامیہ افغانستان کا دروازہ کھٹکھٹانا اور مسئلے کے سیاسی حل کے لئے امارت اسلامیہ کے نمائندوں کے ساتھ بیٹھنا کوئی معمولی اور حادثاتی امر نہیں بلکہ یہ ان کی بڑی مجبوری ہے بالفاظ دیگر زہر کا پیالہ ہے جو وہ پی رہے ہیں۔

بلاشک وشبہ امریکہ کا امارت اسلامیہ کے سامنے بیٹھنا اور مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کو حل کرنے کا مطالبہ کرنا سیاسی میدان میں امارت اسلامیہ کی بہت بڑی کامیابی اور کامیاب ڈپلومیسی کی ایک واضح دلیل ہے ساتھ ہی یہ امارت اسلامیہ کے موقف کے لئے ایسی تاریخی کامیابی ہے کہ امارت اسلامیہ اور دنیا بھر کے باشعور مسلمان میڈیا کے میدان میں اس سے صلیبیوں کے خلاف عموما اور امریکہ کے خلاف خصوصا تیر اور نیزے کا کام لے سکتے ہیں اور ان کے دلوں کو زخمی کر سکتے ہیں۔

اس بات سے ہم اور پوری دنیا خوب واقف ہے کہ سیاسی میدان میں ہماری یہ کامیابی عسکری میدان میں ہماری کامیابیوں اور دشمن کی ذلت بھری شکست کی وجہ سے ہے۔ امریکہ جو افغانستان سے طالبان اور مجاہدین کو جڑ سے اکھاڑنے اور اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے افغانستان پر دائمی قبضہ جمانے کے لئے آیا تھا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ وہ اپنی تمام تر مادی طاقت اور اتحادیوں کے باوجود خالی ہاتھ مجاہدین کے مقابلے میں عسکری میدان میں شکست کھائے گا، اپنی شکست کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گا اور مذاکرات کی بھیک مانگے گا۔

دنیا میں سب سے زیادہ مغرور اور اپنی فوجی اور مادی طاقت پر گھمنڈ رکھنے والے امریکہ نے اگر طالبان کے ساتھ لڑائی میں اپنے ہزاروں فوجیوں کی لاشیں اور بڑے بڑے مالی نقصانات نہ دیکھے ہوتے تو وہ ساری زندگی افغانستان سے نکلنے کا نام بھی نہ لیتا، نہ ہی ان بوریا نشین افغانوں سے مذاکرات کے لئے تیار ہوتا اور اس بات کا اعتراف کرتا کہ واقعی جنگ افغان مسئلہ کا حل نہیں۔

امریکہ نے گزشتہ سترہ برسوں میں ڈیڑھ ٹریلین ڈالر جنگ میں اڑا دیئے، مرنے، زخمی، معذور اور ذہنی بیماریوں میں مبتلا ہونے والے فوجیوں کی تعداد ان کے بقول پچاس ہزار سے متجاوز ہے، طرح طرح کی حکمت عملیوں اور اپنے تمام تر جنگی وسائل کو بروئے کار لانے کے باوجود بھی نتیجہ ان کے حق میں صفر رہا اور ان کے خلاف جاری جنگ میں دن بہ دن تیزی ہی آتی رہی۔ جس کی وجہ سے امریکہ اس بات کو بخوبی سمجھ گیا کہ جنگ اور زبردستی کے ذریعے افغانستان کی سرزمین پر ایک انچ بھی پیش رفت نہیں کر سکتے اور نہ ہی طالبان کو جنگ اور دھونس دھمکیوں کے ذریعے ڈرایا یا دھمکایا جا سکتا ہے اور نہ ہی کابل کے کٹھ پتلی ادارے میں یہ استعداد دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ بظاہر مذاکرات کے عمل کو تیزی سے انجام تک پہنچانے کا خواہاں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے علاوہ اس کے پاس اپنی شکست چھپانے کے لئے اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔

عسکری میدان میں مجاہدین کی کامیابی کی برکت سے امارت اسلامیہ کے نمائندوں نے ابوظہبی میں ہونے والے اجلاس میں بڑی دلیری اور ایک فاتح کی حیثیت سے شرکت کی، اپنے معقول اور جائز مطالبات پر ڈٹے رہے اور آخر تک کابل کے کٹھ پتلی ادارے کی حیثیت تسلیم کرنے اور انہیں اجلاس میں شریک کرنے پر قائل نہ ہوئے۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ افغانستان میں جاری اس جنگ کے دو فریق ہیں ایک فریق امریکی قیادت میں افغانستان پر حملہ کرنے والی قوتیں ہیں اور دوسری فریق اپنے دین ملت اور سرزمین کی حفاظت اور دفاع کی خاطر لڑنے والے امارت اسلامیہ افغانستان کے مجاہدین ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی تیسری فریق نہیں، کابل کا کٹھ پتلی ادارہ جو امریکی زور پر کھڑا ہے اپنی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

اس لئے امارت اسلامیہ نے فیصلہ کیا کہ مذاکرات، جنگ کے اصل فریق کے ساتھ کئے جائیں تاکہ سیاسی بحث و مباحثہ کر کے اسے اس بات پر قائل کیا جائے کہ وہ فی الفور افغانستان سے اپنا قبضہ اٹھا لیں اور افغانستان کی جنگ زدہ عوام کو چھوڑ دیں تاکہ وہ اپنے مسائل خود ہی حل کر لیں اور امن کی فضا میں سانس لے سکیں۔

امارت اسلامیہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اپنے ملک وملت کی آزادی اور اپنے عالی اہداف کے حصول کی خاطر سیاسی کشمکش ایک نازک صورتحال میں داخل ہو چکا ہے اس لئے بڑی دقت کے ساتھ پیش رفت کر رہا ہے اور کسی بھی طرح کی عجلت پسندانہ فیصلوں اور اقدام سے بچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ امارت اسلامیہ زیادہ پرامید نہیں ہے اور نہ ہی اپنی عوام کو یہ امید دلاتی ہے کہ امریکہ کے ساتھ جاری ان مذاکرات کے ذریعے افغانستان میں جاری جنگ واقعی اختتام کو پہنچ گی اس لئے کہ ہمارا سامنا ایک شاطر اور مکار دشمن سے ہے، صلح کے حوالہ سے اب تک اس کا کردار مشکوک اور تضاد کا شکار ہے۔ کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک طرف امریکہ کا خاص نمائندہ زلمے خلیل زاد کئی ماہ سے مسلسل صلح کی کوششوں میں لگا ہوا اور صلح کے نام پر مختلف ممالک کے دورے کر رہا ہے تو دوسری طرف امریکہ نے افغانستان میں اپنی وحشت اور سربریت جاری رکھی ہوئی ہے بلکہ پہلے سے اضافہ کر رہا ہے، عوام پر حملوں اور روزانہ کی بنیاد پر افغانوں کی شہادت میں تیزی آئی ہوئی ہے، ظلم و سربریت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ نیٹو سربراہ اور جنرل ڈانفورڈ سمیت دیگر فوجی حکام کی طرف سے یہ مطالبہ بھی ہو رہا ہے کہ افغانستان سے امریکی فوجیوں کو نہ نکالا جائے، وہ کہتے ہیں کہ امریکیوں کی حفاظت کے لئے افغانستان میں نیٹو افواج کا ہونا ضروری ہے۔

تو اس طرح کے متضاد ماحول میں افغان قوم امریکہ کی نیت اور کردار پر یقین کیسے کر سکتی ہے ؟ اگر واقعی امریکہ صلح اور جنگ ختم کرنا چاہتا ہے تو اس موجودہ صورت حال اور تضاد کو ختم کر دے ؛ افغان قوم کو اندھا دھند بمباریوں کے ذریعے ڈرانے سے احتراز کرے اور مذاکرات کے لئے پر اعتماد فضا قائم کرنے کے لئے افغانستان میں موجود اپنی باقی ماندہ فوج کو واپس بلانے کا فوری اعلان کرے

امریکہ دھوکہ اور فریب سے کام لے رہا ہے لیکن الحمدللہ ہماری تلوار پہلے سے زیادہ تیز ہے اور اسی تلوار سے ہم امریکہ کو ہر اس کام پر مجبور کر دیں گے جو ہم چاہتے ہیں، امریکہ کے فوجی اب افغانستان میں مجاہدین کے ساتھ کسی بھی طرح کی لڑائی کی سکت نہیں رکھتے، وہ ہمت ہار گئے ہیں، افغانستان میں امریکی فوج کا مزید قیام ان کی ذلت و رسوائی میں اضافہ کے باعث بنے گا تو اب یہ ان پر چھوڑتے ہیں کہ جلدی افغانستان سے جانے کی تیاری کرتے ہیں یا مزید جانی و مالی نقصانات اٹھانے کے لئے مزید قیام کا فیصلہ ؟

مذاکرات اور کابل انتظامیہ

خبیر احمد

امریکا افغانستان کی طویل جنگ سے اُکتا چکا ہے۔ اسے یقین ہے کہ اس جنگ میں فتح کی امید دل سے نکالنا ہو گی۔ کابل کی کٹھ پتلیوں میں بھی اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ امریکا اور کٹھ پتلی حکومت کے خلاف افغان عوام کی نفرت اور مسلح جدوجہد میں کمی لا سکے۔ کابل انتظامیہ میں سابق کمیونسٹ، مغربی نائٹ کلبز کے پروردہ افراد سمیت کئی جرائم پیشہ افراد شامل ہیں۔ وہ 17 سالوں کے دوران صرف اپنے ذاتی مفادات کی خاطر امریکا کو یہ باور کراتے رہے کہ طالبان بہت کمزور ہو چکے ہیں۔ وہ قیادت سے محروم ہو چکے ہیں۔ ان کی اقتصادی شہ رگ کاٹی جا چکی ہے۔ ان کے آپس میں شدید اختلافات ہیں۔ جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ امریکا کچھ عرصہ مزید افغانستان میں رہتے ہوئے کابل انتظامیہ کے ساتھ مالی اور فوجی تعاون کرتا رہے۔

کابل کی کاسہ لیس انتظامیہ محض اپنی ناکامیوں کو چھپانے کی خاطر دن رات امریکا سے یہ فریاد کرتی رہی ہے کہ امریکا کو چاہیے کہ وہ پاکستان پر دباؤ ڈالے، تاکہ وہ طالبان رہنماؤں کو کابل امن کونسل سے مذاکرات کے لیے آمادہ کرے۔ کٹھ پتلیوں کا خیال ہے کہ پاکستان یہ کام کر سکتا ہے۔ یہ بے وقوفی کی حد ہے۔ امریکا بھی اپنے غلاموں کے ان مشوروں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ طالبان کا تعلق پڑوسی ملک سے ہے۔ یہی وجہ تھی کہ امریکا نے اپنے زر خرید غلاموں کو افغانستان کے طول و عرض میں کارروائی کرنے کے لیے لاکھوں ڈالر زدیے۔ یہی ایجنٹ امریکی طیاروں کو جس گھر، مدرسے، مسجد، گاؤں، شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کی نشان دہی کرتے۔ امریکی طیارے اس پر اندھا دھند بمباری کرتے۔ ڈرون، ہیلی کاپٹر اور جیٹ طیاروں سمیت دیگر کئی قاتل طیارے چند سیکنڈ میں ہی قیامت برپا کر جاتے۔ یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔

امریکا نے پاکستان پر بھی مختلف طرح سے دباؤ ڈالا کہ اگر طالبان کا کوئی رہنما پاکستان کی سرحد پار کرے تو اسے جلد از جلد گرفتار کر کے کابل انتظامیہ کے سامنے مذاکرات پر آمادہ کیا جائے۔ طالبان نے اللہ تعالی کی مدد سے ان تمام مشکلات کا جواں مردی سے مقابلہ کیا۔ تمام تر مشکلات برداشت کیں۔ وہ اپنے اہداف سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ طالبان نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اکیلے ہی میدان کارزار میں امریکا اور نیٹو کا مقابلہ کیا۔ افغانستان کے 70 فیصد رقبے پر اپنا کنٹرول قائم کیا۔ امریکا ان تمام مراحل اور مختلف جنگی تکنیک استعمال کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ افغانستان کے خلاف جنگ اس کی ایک بھیانک غلطی تھی۔ اسی وجہ سے امریکا نے اپنی طاقت کی پالیسی ترک کرتے ہوئے امارت کے ساتھ مذاکرات کی راہ اپنائی ہے۔ افغان نژاد امریکی ایلچی زلمے خلیل زاد کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ طالبان کے ساتھ براہ راست ملاقات کر کے کسی نتیجے پر پہنچا جائے۔

امارت اسلامیہ کے سیاسی ارکان بھی جانتے ہیں کہ امریکا کی پالیسی اور مجاہدین سے کیے گئے مطالبوں میں قابل ذکر تبدیلی دیکھنے میں آئی ہے۔ اب امریکا اپنے اس مطالبے سے دستبردار ہو گیا ہے کہ امارت اسلامیہ کے سیاسی نمائندے

کابل انتظامیہ کے ساتھ مذاکرات کریں۔ حالانکہ امریکا 15 سال سے یہ مطالبہ مسلسل کرتا رہا ہے۔ جب کہ امارت اسلامیہ کی مذاکرات کے حوالے سے ایک اہم شرط یہ تھی کہ امریکا کے ساتھ مذاکرات کیے سکتے ہیں، لیکن کابل انتظامیہ کے ساتھ مذاکرات نہیں ہو سکتے۔ کہا جاتا ہے مذاکرات کے رسمی سلسلے سے قبل امریکا نے طالبان قیدیوں کی رہائی پر بھی آمادگی ظاہر کی ہے۔ اگر مذکورہ تمام امور کو عملی جامہ پہنایا جائے تو کوئی شک نہیں مذاکرات کا یہ سلسلہ کامیابی کی جانب گامزن ہوگا۔ جس کا سب سے اہم پہلو جنگ کا خاتمہ اور غیر ملکی فوجیوں کا انخلا ہے۔ اس حساس وقت میں کابل کی کٹھ پتلی انتظامیہ اس تگ ودو میں ہے کہ طالبان مذاکرات کے سلسلے میں اس سے بات چیت کے لیے آمادہ ہو جائیں۔

اپنے ہدف تک پہنچنے کے لیے امن کونسل کے علاوہ ایک الگ امن کمیٹی بنائی گئی ہے، تاکہ وہ طالبان کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ آگے بڑھائے۔ اس کمیٹی میں سب وہ لوگ شامل ہیں، جو سترہ سالہ جارحیت کے دوران امریکا کے غلام رہے۔ انہی کی وجہ سے امریکا نے افغانستان میں ایک ملین سے زیادہ لوگوں کو شہید کیا۔ جب کہ دو ملین سے زیادہ شہریوں کو معذور، بے گھر یا جیلوں میں قید کیا ہے۔ کابل انٹیلی جنس اداروں کے خفیہ جیلوں میں کتنے لوگ مارے گئے، اس کی صحیح تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اشرف غنی، کرزئی، جنرل دوستم، ڈاکٹر عبداللہ، سیاف اور محقق وغیرہ جیسے مجرم چہرے اس کمیٹی کے رکن ہیں۔ حالانکہ افغان جنگ کی آگ انہی کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ امریکا اور نیٹو کے فوجی انہی کا کندھا استعمال کرتے ہوئے افغانستان کی سرزمین پر قدم رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ افغان عوام کی عزت، ناموس اور سماجی اقدار کو انہی لوگوں نے امریکی مفادات کی بھینٹ چڑھایا ہے۔ پشتو کی ایک کہاوت ہے کہ 'مجھے تیرے ایمان پر شک ہے اور تو بزرگی کا دعوے دار ہے۔' امارت اسلامیہ اچھی طرح جانتی ہے کہ افغانستان کے تمام مسائل کی جڑ یہی فتنہ پرور حکومتی ٹولہ ہے۔ ان کی موجودگی میں کسی بھی طرح امن کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ افغانستان کے عوام کی یہ آرزو اور خواہش ہے کہ ان قومی غداروں سے افغانستان کے کسی بھی اہم مسئلے بارے رائے نہ لی جائے۔

جو حکومت اپنی کابینہ کا انتخاب نہیں کرسکتی، اپنے ہی گورنرز اور وزراء کو معزول نہیں کرسکتی اور نہ امریکا کے رحم وکرم کے بغیر ایک ہفتہ قائم رہ سکتی ہے، ایسی ناکام حکومت کے ساتھ مذاکرات کو افغانستان کی قومی خودمختاری کے ساتھ ظلم ہی کہا جاسکتا ہے۔ اشرف غنی کو چاہیے کہ زلمے خلیل زاد کا امریکی اخبار کو دیا گیا انٹرویو پڑھنا چاہیے۔ اس میں کہا گیا تھا کہ 'امریکا اور طالبان کے درمیان امن مذاکرات جاری رہیں گے۔ مجھے امید ہے ہم ضرور کسی نتیجے پر پہنچیں گے۔ جو بھی مذاکرات کی راہ میں رکاوٹ بنے، وہ فائدے کے بجائے نقصان اٹھائے گا۔ کوئی اس خوش فہمی میں نہ رہے کہ امریکی فوج طویل عرصے تک افغانستان میں موجود رہے گی۔ کیوں کہ امریکا افغانستان میں قیام امن تک اپنی فوج رکھنا چاہتا ہے۔ جب طالبان کے ساتھ مذاکرات کامیاب ہو جائیں گے تو امریکا اپنی فوج واپس بلا لے گا۔

اشرف غنی، کرزئی، جنرل دوستم، ڈاکٹر عبداللہ، سیاف اور محقق وغیرہ جیسے مجرم چہرے اس کمیٹی کے رکن ہیں۔ حالانکہ افغان جنگ کی آگ انہی کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ امریکا اور نیٹو کے فوجی انہی کا کندھا استعمال کرتے ہوئے افغانستان کی سرزمین پر قدم رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ افغان عوام کی عزت، ناموس اور سماجی اقدار کو انہی لوگوں نے امریکی مفادات کی بھینٹ چڑھایا ہے۔ پشتو کی ایک کہاوت ہے کہ 'مجھے تیرے ایمان پر شک ہے اور تو بزرگی کا دعوے دار ہے۔' امارت اسلامیہ اچھی طرح جانتی ہے کہ افغانستان کے تمام مسائل کی جڑ یہی فتنہ پرور حکومتی ٹولہ ہے۔ ان کی موجودگی میں کسی بھی طرح امن کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ افغانستان کے عوام کی یہ آرزو اور خواہش ہے کہ ان قومی غداروں سے افغانستان کے کسی بھی اہم مسئلے بارے رائے نہ لی جائے۔

پہلی عالمی جنگ کی ایک صدی

شہید زوی

اللہ تعالی نے پہلی جنگ عظیم کے نام پر برپا ہونے والے خونخوار معرکے سے افغانستان کو محفوظ رکھا تھا۔ مقبوضہ متحدہ ہندستان سے ملین سے زیادہ فوجی برطانیہ کی اس جنگ میں بھیجے گئے تھے۔ وہ عراق، فلسطین، اٹلی، فرانس اور بیلجیم میں برطانوی مخالفین کے خلاف لڑے تھے۔ ان میں سے 74ہزار 180 فوجی ہلاک ہوگئے تھے۔ ان میں ہندو اور سکھوں کے علاوہ بڑی تعداد مسلمانوں کی بھی تھی۔ اس جنگ نے دنیا کی تاریخ میں بہت بڑا مالی نقصان بھی پہنچایا تھا۔ وہ جنگ 1914 میں شروع ہوئی اور 11نومبر 1918ء کو ختم ہوئی۔

11نومبر 2018 کو اس جنگ کے سو برس مکمل ہوئے تو فرانسیسی دارالحکومت پیرس میں ایک عالمی یادگاری کانفرنس منعقد کی گئی۔ جس میں امریکی صدر ٹرمپ اور روسی صدر پیوٹن سمیت دنیا کے 70 سے زیادہ ان ممالک کے رہنماؤں نے شرکت کی، جو کسی نہ کسی طریقے سے اس جنگ میں شریک تھے۔ بارش برس رہی تھی۔ شدید سردی تھی۔ عالمی رہنما سروں پر سیاہ چھتری تھامے ہوئے تھے۔ دوپہر سے قبل 11 بجے فرانس کے تمام کلیساؤں میں گھنٹیاں بج گئیں۔ سب لوگ Arc de trump (محراب فتح) اور نامعلوم فوجی کی قبر تک گئے۔ جنگ میں شرکت کرنے والے فوجیوں کے خطوط پڑھے گئے۔ کانفرنس سے جرمن چانسلر انجیلا مرکل اور اقوام متحدہ کے سربراہ کوٹیرس نے افتتاحی خطاب کیا۔ اس جنگ کے اصل عوامل 1871ء سے شروع ہوئے تھے۔ جب جرمنی نے فرانس کو جنگ میں شکست دی۔ معدنی علاقے الساس اور لورین پر قبضہ کیا تھا۔ 1867 میں کروشیا کے چانسلر بسمارک نے شمالی جرمنی کی ریاستوں کو متحد کر دیا تھا پھر فرانس کے خلاف جنگ جیتنے کے بعد کروشیا کے بادشاہ ولیم اول نے خود کو قیصر جرمنی قرار دیا۔

برطانیہ... فرانس، پرتگال، ہالینڈ اور بیلجیم کے اکثر افریقی علاقے اپنے قبضے میں لا چکا تھا۔ جرمنی اس استعماری دوڑ میں بہت بعد میں شریک ہوا۔ اس لیے اس کے مقبوضہ علاقے کم تھے۔ چوں کہ اس کی صنعت بہت ترقی یافتہ تھی، اس لیے مصنوعات کے لیے اسے بہت زیادہ دوڑنا پڑا۔ جس سے دیگر مغربی قوتوں کے ساتھ اس کی گہری حریفانہ کشمکش چل رہی تھی۔ اسی طرح 1878ء میں روس اور ترکی کے درمیان چھڑ جانے والی جنگ میں سربیا ترکوں سے آزاد علیحدہ ہوا اور بوسنیا آسٹریا میں شامل ہوگیا۔ سربیا بوسنیا کے سرب علاقے ہتھیانے کا خواہشمند تھا۔ اس لیے آسٹریا کو سربیا سے خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ روس آبنائے باسفورس اور درہ دانیال پر قبضے کا خواہش مند تھا۔ وہ اس کے لیے خلافت عثمانیہ کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر قبضہ ضروری سمجھ رہا تھا۔ اس لیے ترکی پہلے ہی روس سے خطرہ محسوس کر رہا تھا۔

جنگ کے اسباب پہلے سے موجود تھے۔ آغاز کی ظاہری وجہ قتل کا ایک عام واقعہ تھا۔ 28جون 1914ء کو بوسنیا کے شہر سرایو میں سربیا کے ایک شہری نے آسٹریا ہنگری کے ولی عہد شہزادہ فرڈیننڈ اور اس کی اہلیہ کو ایک مظاہرے کے دوران گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ قتل کے بعد قاتل سربیا جانے میں کامیاب ہوگیا۔ آسٹریا نے سربیا سے قاتل کی حوالگی کا مطالبہ کیا اور ایک مہینے کی مہلت دی۔ روس سربیا کی پشت پر تھا۔ اس لیے سربیا نے آسٹریا کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے 28 جولائی 1914 کو آسٹریا نے سربیا پر حملہ کر دیا۔ آسٹریا، ہنگری اور سربیا کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ سربیا کی مدد کے لیے روسی فوج مقابلے میں آئی۔ جس کے

ساتھ ہی یکم اگست کو جرمنی نے روس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ جرمنی کے اس اعلان کے ایک روز بعد فرانس نے روس کی حمایت میں اپنی فوجیں جرمنی کے مقابلے کے لیے اتار دیں۔ جرمنی اور فرانس کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوگئیں۔ جرمن فوج نے بیلجیم پر حملہ کر کے فرانس کا محاصرہ کر لیا۔ جس کی وجہ سے برطانیہ فرانس کی مدد کو آنکلا اور جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس طرح سربیا اور آسٹریا کی جنگ پورے یورپ میں پھیل گئی۔

پہلی جنگ عظیم کا مرکز یورپ تھا۔ جس میں آسٹریا، ہنگری، بلغاریہ اور عثمانی خلافت ایک طرف اور امریکا، فرانس، برطانیہ، روس اور سربیا دوسری طرف تھے۔ جنگ میں جرمنی اور اس کے اتحادی شکست کھا گئے۔ انہیں غیر مشروط ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا گیا۔ جرمنی بالکل بے دست وپا ہوگیا۔ اکثر علاقے فاتح لشکر نے اپنے قبضے میں لے لیے۔ قابض قوتوں کی جانب سے فوج میں اس قدر کمی کا حکم دیا گیا کہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اسلامی دنیا اس جنگ میں بہت بڑے نقصان کا شکار ہوئی۔ عثمانی خلافت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ اس کے زیر نگین تمام علاقے ہاتھ سے نکل گئے۔ بیت المقدس پر برطانیہ کا قبضہ ہوگیا۔ دوسری جانب جنگ کے اختتام پر جرمنی اور اتحادیوں کے خلاف ذلت آمیز معاہدہ بھی عالمی جنگ کا سبب بن گیا۔ یہ جنگ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی نسبت مسلمانوں کے لیے زیادہ نقصان کا باعث تھی۔ عثمانی خلافت اس جنگ میں براہ راست ملوث نہیں تھی۔ اسے شدید مجبوری میں اس جنگ کا حصہ بننا پڑا۔ روس اپنے اتحادیوں سے تعاون کے لیے بلقان اور بحیرہ روم سے آگے جانا چاہتا تھا۔ اس لیے عثمانی خلافت اپنے علاقوں اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے روس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ جس کی وجہ سے روس اور ترکی آمنے سامنے آ گئے۔

چوں کہ یہ جنگ ایک منحوس منصوبہ تھا اس لیے بہت چال بازی اور دھوکے سے یہ جنگ یورپ کے دیگر حصوں سے سمٹ کر آہستہ آہستہ عثمانی خلافت کی حدود میں آ گئی۔ جنگ کے دوران مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا تھا کہ جنگ کے خاتمے کے بعد عثمانی خلافت کے وجود کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ قسطنطنیہ پر قبضے کے 13 روز بعد 30 اکتوبر 1918 کو ایک معاہدے کے تحت عثمانی خلافت کی تقسیم کا عمل شروع ہوگیا۔ پھر سیور معاہدے کے مطابق خلافت سے متعلق مشرق وسطی کے تمام علاقے برطانیہ اور فرانس کو دے دیے گئے۔ بحیرہ روم کے ساحلی علاقے اطالیا اور ترکی کا سمندری ساحل یونان کو دیا گیا۔ جب کہ آبنائے باسفورس اور بحیرہ مرمرہ بین الاقوامی سمندر قرار دیا گیا۔ اسے اتحادی فوج کا مشترکہ مقبوضہ علاقہ قرار دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مشرقی اناطولیہ کا بہت سارا حصہ آرمینیا کو دے دیا گیا۔

جب 1916 میں اتحادی فوجیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کے لیے حملہ کیا تو ٹاپوزمی گیلی کی سرحد پر ترک مقابلے کے لیے باہر آ گئے۔ یہاں ترک بہت بہادری سے لڑے۔ جنگ چند مہینے جاری رہی۔ جس کے نتیجے میں اتحادیوں کو شدید شکست ہوئی۔ اس جنگ میں برطانیہ، فرانس، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے 2 لاکھ 25 ہزار فوجی ہلاک ہوگئے۔ اس میں 1 لاکھ 89 ہزار ترک بھی شہید ہوئے۔ برطانیہ نے ہندی فوج کا استعمال کرتے ہوئے مشرق وسطی میں عراق، اردن اور فلسطین پر قبضہ کیا۔ اکتوبر 1918 میں شام بھی خلافت عثمانیہ کے حلقہ اقتدار سے نکل گیا۔ خلافت 30 اکتوبر کو عارضی فائر بندی کا معاہدہ کرنے پر مجبور ہوگئی۔ آغاز میں امریکا اس جنگ کا حصہ نہیں تھا۔ 1917 میں ایک جرمن آبدوز نے بحر اوقیانوس میں امریکی سمندری جہاز کو نشانہ بنا کر غرق آب کر دیا۔ جس کی وجہ سے اسی سال 6 اپریل کو امریکا جرمنی کے خلاف اتحاد میں شامل ہوگیا۔

برطانیہ نے انتہائی چالاکی سے فرانس کے ساتھ سائیکس پیکٹ معاہدہ کیا۔ اس کے مطابق پورا مشرق دونوں نے وسطی آپس میں تقسیم کر لیا۔ فلسطین برطانیہ کے قبضے میں آیا۔ اسے 1917 میں خفیہ طور پر اعلان بالفور کے تحت صہیونی حکومت کے قیام کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ ترکی میں قومیت کا نعرہ اٹھایا گیا۔ خلافت عثمانیہ سے آزادی کا اعلان ہوا اور ترک فوج نے یونان، اٹلی اور فرانس کے قابض فوجیوں کو اناطولیہ سے نکالا اور سیور معاہدے کے نتیجے میں جو علاقے آرمنیا کو دیے گئے تھے، وہ واپس لے لیے گئے۔ ترک فوج نے آبنائے باسفورس اور استنبول بھی واپس اپنے قبضے

میں لے لیے۔ اسی طرح انیسویں عیسوی صدی میں ہی فرانس اور برطانیہ نے خلافت عثمانیہ کے کچھ علاقوں پر حملے کیے اور کچھ چھین بھی لیے تھے۔ 1878 میں برطانیہ نے خلافت عثمانیہ سے قبرص کا جزیرہ چھین لیا۔ 1881 میں فرانس نے سارا تیونس لے لیا۔ 1911 میں اٹلی نے ایک اہم ریاست طرابلس (لیبیا) پر قبضہ کر لیا۔ 1912 میں بلقان کی جنگ میں بھی یورپی فوج کی پالیسی عثمانی خلافت کے خلاف تھی۔ اس لیے ترکی نے 1914 میں جرمنی کے ساتھ دفاعی معاہدے پر دستخط کیے اور بڑی مجبوری میں اس جنگ میں شریک ہوا تھا۔ چوں کہ عثمانی خلافت نے مجبوری کے باعث جرمنی کا ساتھ دیا تھا۔ لہذا یہ جنگ یورپ سے مشرق وسطی اور افریقا تک پھیل گئی۔ چوں کہ عثمانی خلافت کے بہت سی ریاستیں تھیں۔ جب 1914 میں جنگ شروع ہوئی تھی تو جرمنی دنیا کی ایک بڑی عالمی قوت تھا۔ جرمنی کی صنعت بہت جدید اور ترقی یافتہ تھی۔ اس کی تجارت بہت تیز تھی۔ فوجی قوت دنیا کی سطح پر ناقابل شکست سمجھی جاتی تھی۔ جرمن لوگ اپنے ملک میں بہت خوش حال زندگی بسر کر رہے تھے۔

جرمنی کی یہ ہمہ پہلو ترقی صرف پوری دنیا کے لیے چیلنج بن چکی تھی۔ اس لیے ناقدین کا کہنا ہے کہ اگر جرمنی نے اس جنگ میں شرکت کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو اب جرمنی دنیا کی سب سے بڑی قوت ہوتا۔ اس جنگ میں 70 ملین فوجیوں نے حصہ لیا۔ جس میں 60 ملین یورپی اور 10 ملین کا تعلق دیگر ممالک سے تھا۔ اسی جنگ میں پہلی مرتبہ بڑے سائز کا جنگی اسلحہ اور کیمیائی مواد استعمال کیا گیا۔ دوسری جانب جنگ کی سیاسی حالت بھی نقصانات سے بہت بھرپور تھی۔ جنگ بندی کے لیے کیے جانے والے معاہدے امن کے بجائے خطرناک جنگ کا باعث بن رہے تھے۔ فائر بندی کے لیے ہونے والے معاہدے کے نتیجے میں جرمنی کو ذلت آمیز شرائط قبول کرنے پر مجبور کیا گیا، جس کی وجہ سے ہٹلر جیسے جابر ڈیکٹیٹر نے جنم لیا۔ بظاہر جرمنی نے سر جھکا لیا، مگر جرمنی کا راستہ روکا جاسکا اور نہ جرمن قوم کا احساس برتری ختم ہوا۔ اس لیے ہٹلر نے قوم کے تحفظ کا احساس بیدار کرنے اور مقابل قوتوں سے جرمنی کی ذلت کا انتقام لینے کے لیے انہیں جنگ پر تیار کیا۔ جنگ کی پوری تیاری کے بعد جنگ عظیم اول کے 22 سال پورے ہونے کے بعد دوسری عالمی جنگ چھڑ گئی۔ جس میں پہلی جنگ عظیم سے زیادہ تباہی ہوئی۔ 100 ملین انسان ہلاک ہوگئے۔ جاپان کے ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکا نے ایٹم بم گرا دیے۔ جس نے چند لمحوں میں ہزاروں بے گناہ انسانوں کو انتہائی بے رحمی اور بے دردی سے لقمہ اجل بنا دیا۔

جب 1916 میں اتحادی فوجیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کے لیے حملہ کیا تو ٹاپوزمی گیلی کی سرحد پر ترک مقابلے کے لیے باہر آگئے۔ یہاں ترک بہت بہادری سے لڑے۔ جنگ چند مہینے جاری رہی۔ جس کے نتیجے میں اتحادیوں کو شدید شکست ہوئی۔ اس جنگ میں برطانیہ، فرانس، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے 2 لاکھ 25 ہزار فوجی ہلاک ہوگئے۔ اس میں 1 لاکھ 89 ہزار ترک بھی شہید ہوئے۔ برطانیہ نے ہندی فوج کا استعمال کرتے ہوئے مشرق وسطی میں عراق، اردن اور فلسطین پر قبضہ کیا۔ اکتوبر 1918 میں شام بھی خلافت عثمانیہ کے حلقہ اقتدار سے نکل گیا۔ خلافت 30 اکتوبر کو عارضی فائر بندی کا معاہدہ کرنے پر مجبور ہوگئی۔ آغاز میں امریکا اس جنگ کا حصہ نہیں تھا۔ 1917 میں ایک جرمن آبدوز نے بحر اوقیانوس میں امریکی سمندری جہاز کو نشانہ بنا کر غرق آب کر دیا۔ جس کی وجہ سے اسی سال 6 اپریل کو امریکا جرمنی کے خلاف اتحاد میں شامل ہوگیا۔ اتحادی فوج میں امریکی فوج اور جنگی وسائل کی شمولیت سے ان کا پلڑا بھاری ہوگیا۔ جس سے آئندہ سال جرمنی صلح کے لیے مجبور ہوگیا۔ اتحادیوں نے جرمنی کی درخواست قبول کر لی اور 1918 میں 11 نومبر کو فائر بندی کا معاہدہ ہوگیا۔ مغربی حصوں میں جنگ ختم ہوگئی۔ مشرقی حصوں میں تو ویسے بھی نومبر 1917 میں کمیونسٹ انقلاب آنے کی وجہ سے لینن نے جرمنی کے ساتھ صلح کرلی تھی اور جنگ رک گئی تھی۔

بڑی طاقتوں کے درمیان استعمار اور قبضے کی رقابت اب بھی جاری ہے۔ ایٹمی جنگ کے خطرات بھی سامنے ہیں۔ عالمی طاقتیں دنیا کے امن کے لیے نہ صرف یہ کہ کوئی قدم نہیں اٹھاتیں، بلکہ پوری دنیا میں بدامنی بھی انہی کی وجہ سے ہے۔ ایسے حالات میں جنگ عظیم اول کے خاتمے کی پہلی صدی منانا اور پیرس میں امن کانفرنس کا انعقاد منافقت نہیں تو کیا ہے؟

امریکا اور طالبان 2018ء میں

موسیٰ فرہاد

ٹرمپ نے 2016ء کے اواخر میں صدارتی انتخابات میں کامیابی حاصل کی۔ 20 جنوری 2017ء کو امریکا کے 45ویں صدر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ الیکشن مہم کے دوران ٹرمپ کا نعرہ یہ تھا کہ ان کی حکومت میں امریکی فوج اور امریکی ڈالر کو ضائع ہونے سے بچا کر اسے امریکا کے مفاد کے لیے استعمال میں لایا جائے گا۔ ٹرمپ نے حلف برداری کی تقریب میں کہا کہ ہم نے کئی ٹریلین ڈالرز دوسرے ممالک کو فراہم کیے ہیں۔ وہ ممالک ہماری مالی امداد سے ترقی کر رہے ہیں، لیکن ہم اپنے ملک کو بھول چکے ہیں۔ ہم دوسرے ممالک کی سرحدوں کی حفاظت کر رہے ہیں، لیکن اپنے ملک کی سرحدوں کی حفاظت پر کوئی ترجہ نہیں دے رہے۔ اب ہم اپنی فوج اور کرنسی کو اپنے ملک کے مفاد کے لیے استعمال کریں گے۔ آٹھ ماہ کی خاموشی کے بعد اگست 2017ء میں ٹرمپ نے خلاف توقع افغانستان بارے نئی جنگی اسٹریٹیجی کا اعلان کیا۔ خلاف توقع اس لیے تھا کہ جنگی اسٹریٹیجی ٹرمپ کی الیکشن مہم اور تقریب حلف برداری میں کیے گئے اعلانات سے بالکل مختلف تھی۔ بی بی سی کے مطابق ٹرمپ نے کہا کہ 'امریکی فوج تب تک افغانستان میں رہے گی، جب تک امریکا اس جنگ میں فتح حاصل نہیں کر لیتا۔'

طالبان نے ٹرمپ کے اس اعلان کے جواب میں ایک مختصر اعلامیے میں کہا کہ ٹرمپ افغانستان بارے غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اعلامیے میں طالبان نے ٹرمپ کو واضح الفاظ میں خبردار کرتے ہوئے کہا کہ 'جب تک افغانستان کی سرزمین پر ایک بھی امریکی فوجی موجود ہوگا، ان کے حکومتیں بھی یکے بعد دیگرے جنگ جاری رہنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں تو ہم بھی بلند عزم اور حوصلے کے ساتھ ان کے خلاف اپنا جہاد جاری رکھیں گے۔ اللہ کی اور مجاہدین کے ساتھ ہے۔' ٹرمپ اپنی ٹوئیٹس کے ذریعے ہمیشہ اپنے جنرلز سے یہ کہتے رہے کہ وہ 6 ماہ کے اندر طالبان کو شکست دے کر افغانستان میں اپنے دائمی اڈے مضبوط کریں۔' اسی شش و پنج میں 2018 کا سورج طلوع ہوگیا۔ آدھا سال اسی طرح گزر گیا۔ اب 2018ء کا سورج بھی غروب ہو چکا ہے۔ ٹرمپ کی امیدیں ابھی تک بر نہیں آئیں۔ اب انہوں نے اپنے فوجی جنرلیوں کو ناکام اور جھوٹا قرار دیا ہے۔ اسی مایوسی کے عالم میں اپنی کابینہ کو حکم دیا کہ طالبان کے ساتھ مذاکرات کے لیے راہ ہموار کریں۔ تاکہ امریکی فوجیوں کو جنگ کے میدان سے باحفاظت نکال لیا جائے۔ یہاں سے طالبان کے ساتھ مذاکرات کا آغاز ہوا۔ جس کے تحت سب سے پہلے ایلس ویلز اور پھر زلمے خلیل زاد کو خصوصی نمائندے کے طور پر طالبان کے ساتھ مذاکرات کے لیے مقرر کیا گیا۔

2018ء نہ صرف ٹرمپ، بلکہ طالبان کے لیے بھی کئی چیلنجز کا سال تھا۔ ٹرمپ کی جنگی پالیسی کے نتیجے میں افغانستان کے طول و عرض میں فضائی آپریشنز میں جو وحشت اختیار کی گئی، بین الاقوامی سطح پر دجالی میڈیا جو پروپیگنڈا

کرتا رہا، اس کی وجہ سے عام طور پر یہی خیال کیا جا رہا تھا کہ اس سے طالبان کمزور ہو جائیں گے۔ جس کی وجہ سے طالبان عسکری میدان میں ماضی کی نسبت لڑنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ جس کا سب زیادہ اثر طالبان کی بین الاقوامی سطح پر سیاسی جدوجہد پر بھی پڑ سکتا تھا۔

ٹرمپ کی جنگی پالیسی میڈیا سے شروع ہوئی اور عام شہریوں پر اندھی بمباریوں اور شک کی بنیاد پر عام شہریوں کے گھروں پر وحشیانہ چھاپوں کی صورت میں عملی طور پر دیکھنے میں آئی۔ جس کی وجہ سے شہریوں کو بھاری جانی اور مالی نقصانات اٹھانا پڑے۔ ان کارروائیوں کا سب سے بڑا نشانہ عوام بنے۔ طالبان اب امریکا کے خلاف ایک گوریلا جنگ لڑ رہے ہیں۔ جس میں ٹینک، طیارے اور بمباری کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کوئی بھی گوریلا مجاہد بڑی مشکل سے دشمن کا ہدف بنتا ہے۔ یہی وجہ تھی ٹرمپ کی نئی جنگی پالیسی کے اعلان کے بعد سے اب تک ہزاروں شہری امریکی اور افغان کٹھ پتلی فورسز کے مشترکہ زمینی اور فضائی آپریشن کے نتیجے میں شہید ہو چکے ہیں۔ صرف 2018ء میں ساڑھے چار ہزار سے لے کر 5 ہزار تک شہری غیر ملکی اور کٹھ پتلی فورسز کے ہاتھوں شہید ہو چکے ہیں۔ جس کی وجہ سے پورے افغانستان میں امریکا اور کابل انتظامیہ کے خلاف نفرت اور بیزاری میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ ٹرمپ کی اسی وحشیانہ پالیسی کا نتیجہ امریکا کے لیے منفی طور پر سامنے آیا۔ اس پالیسی سے طالبان عسکری میدان میں اور بھی مضبوط ہوئے۔ جب کہ دوسری جانب عوام میں بھی طالبان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ دشمن کی وحشتوں کے نتیجے میں عام شہریوں کے جانی اور مالی نقصانات کا نتیجہ یہ نکلا کہ امریکا سمیت کابل کی کٹھ پتلی انتظامیہ کے خلاف عوام میں بڑے پیمانے پر غم وغصے کی لہر دوڑ گئی ہے۔

ٹرمپ کی ناکام پالیسی کے نتیجے میں طالبان بین الاقوامی سطح پر سیاسی طور پر کامیاب ہوئے۔ دنیا نے ان کے ساتھ رابطے بڑھانا شروع کیے۔ جس کی وجہ سے ٹرمپ نے مجبور ہو کر طالبان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے۔ طالبان کی سیاسی اثر و رسوخ نے افغانستان میں طالبان کی عسکری کارروائیوں میں بھی تیزی لائی اور ایسا لگنے لگا ہے کہ اب طالبان ایک بار پھر ایک بڑے طاغوت کو زیر کرنے کے بعد کابل پر حکومت کرنے والے ہیں۔ 2018ء گزشتہ ڈیڑھ عشرے کے مقابلے میں طالبان کے لیے سیاسی فتح کا سال تھا۔ امریکا نے 18 سال بعد طالبان کے ساتھ رسمی طور پر مذاکرات کرنے کی ہامی بھری۔ جس کی واضح مثال ابوظہبی مذاکرات تھے۔

اسی طرح ماسکو کانفرنس میں طالبان ایک بین الاقوامی سیاسی قوت کے طور پر سامنے آئے۔ دنیا کی بڑی طاقتوں سمیت اب کئی ممالک افغان مسئلے پر طالبان کے موقف کو حقیقی حل کے طور پر سننے کے لیے تیار ہیں۔ سیاسی مبصرین کے مطابق ان مسائل نے طالبان کی سیاسی حیثیت کو جتنے بلند مقام پر پہنچایا، اسی طرح افغان حکومت کی سیاسی حیثیت خاک میں مل گئی ہے۔ رسمی اعلامیوں میں ملکی ترقی کے منصوبوں کی حفاظت کا موقف، روزمرہ پیش آنے والے واقعات، مشکلات، باہمی رنجشوں اور جرائم میں عوام کو شرعی تقاضوں کے مطابق انصاف کی جلد فراہمی نے بھی عوام کے دلوں میں طالبان کی محبت بھر دی ہے۔ طالبان کے مقابلے میں کابل انتظامیہ کا عدالتی نظام رشوت اور سفارش پر مبنی ہے۔ 2016ء میں ایک میڈیائی سروے رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ اس سال کابل کے ججوں اور ان سے وابستہ چھوٹی کچہریوں نے غریب عوام سے انصاف کی فراہمی کی مد میں 3 ارب ڈالر رشوت وصول کی ہے۔ اس طرح کے کرپٹ نظام میں شہریوں کی مشکلات حل ہونے کے بجائے ان کی زندگی کے تمام شعبوں کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔

امریکا نے شکست کا اعتراف کیا

سیف العادل احرار

امریکا نے افغان جنگ میں شکست کا اعتراف کیا ہے۔ سابق امریکی صدر اوباما نے بھی شکست کا اعتراف کیا تھا۔ تاہم حال ہی میں نومبر 2018 میں اعلی امریکی حکام، روس، امریکی شہریوں اور کابل انتظامیہ نے امریکی شکست کا نیا اعتراف کیا ہے۔ امریکا کے چیئرمین جوائنٹ چیفس آف اسٹاف جنرل جوزف ڈنفورڈ نے کہا ہے کہ افغانستان میں طالبان ہارے نہیں، بلکہ 17 سالہ جنگ کے بعد بھی ان کی پوزیشن مضبوط ہے۔ کینیڈا میں سکیورٹی فورم سے خطاب کرتے ہوئے جنرل ڈنفورڈ نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں انصاف یہ ہے کہ ہم اعتراف کریں طالبان ہارے نہیں ہیں۔ افغان معاملے پر ہمیں لگی لپٹی کے بجائے طالبان کی مضبوط پوزیشن کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ جنگ ہر مسئلے کا حل نہیں ہے۔ امریکا نے مذاکرات کے لیے کوشش شروع کی ہے۔ اگر طالبان بات چیت کے لیے تیار ہو جائیں تو یہ ہماری بڑی کامیابی ہو گی۔ اس حوالے سے مثبت پیش رفت کے خواہاں ہیں۔ تاہم اس میں وقت لگے گا۔

امریکی محکمہ خارجہ نے کہا ہے کہ سول اور فوجی قیادت افغان تنازع کے غیر فوجی حل پر یقین رکھتی ہے۔ اسی لیے امریکا افغانستان اور طالبان کے درمیان ہونے والے امن معاہدے کی پابندی کر رہا ہے۔ واشنگٹن میں ہونے والی نیوز بریفنگ کے دوران اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کے ترجمان ہیتھر نوریٹ نے کہا کہ افغانستان کے لیے امریکا کے خصوصی مشیر زلمے خلیل زاد خطے میں سفر کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے امن معاہدے کے ساتھ منسلک ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ امید ہے ہم طالبان کے ساتھ مذاکرات میں کامیابی حاصل کریں گے۔ ترجمان کا کہنا تھا کہ ہمارے حکام طویل عرصے سے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ ہمیں افغان تنازع کے غیر عسکری حل کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ ان میں محکمہ دفاع بھی شامل ہے۔

غیر ملکی خبر رساں ادارے کے مطابق بین الاقوامی ادارے پیو ریسرچ سینٹر نے افغان جنگ سے متعلق سروے رپورٹ جاری کی ہے۔ اس میں امریکی شہریوں سے اس جنگ کے حوالے سے رائے لی گئی ہے۔ سروے رپورٹ کے مطابق افغانستان پر امریکی حملے کے درست یا غلط ہونے پر امریکی قوم منقسم ہے۔ 49 فیصد امریکی سمجھتے ہیں واشنگٹن افغانستان میں مقاصد حاصل نہیں کر پایا۔ رپورٹ کے مطابق 16 فیصد امریکی اس ابہام کا شکار ہیں کہ افغانستان میں امریکا کامیاب ہوا یا ناکام! رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ 2009 سے 2011 تک امریکیوں کا خیال تھا کہ امریکا اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس میں کمی دیکھنے میں آ رہی ہے۔ 2014 اور 2015 میں مثبت سے زیادہ منفی رد عمل سامنے آئے ہیں۔ واچ ڈاگ کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ افغانستان کا دارالحکومت کابل افغان حکومت سے نکل گیا ہے۔ حالیہ مہینوں میں سکیورٹی فوج کو بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا اور طالبان کے خلاف انہوں نے کوئی پیش رفت نہیں کی۔ ڈیٹا تربیت دینے والے امریکی اسپیشل انسپکٹر جنرل برائے افغانستان ری کنسٹرکشن کے مطابق گزشتہ ماہ کابل انتظامیہ کے اضلاع پر کنٹرول میں اشاریہ سات فیصد کمی آئی ہے۔ 132 اضلاع پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے کابل انتظامیہ اور طالبان کے درمیان مقابلہ ہے۔ امریکی ماہر بل روگیو کے مطابق

افغانستان میں سکیورٹی صورت حال کی بہتری ممکن نظر نہیں آ رہی۔ امریکی ادارے کے مطابق یکم مئی سے یکم اکتوبر کے درمیان اکٹھے کیے گئے ڈیٹا کے مطابق افغان سکیورٹی فوج کو بھاری نقصان ہوا ہے۔

افغانستان میں امریکی فوج کے اعلی کمانڈر اسکاٹ میلر نے ایک انٹرویو میں کہا کہ ہم طالبان کو شکست نہیں دے سکتے۔ اس لیے ہم نے مذاکرات کا راستہ اپنایا اور طالبان بھی اس جنگ میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ لہذا انہیں چاہیے وہ مذاکرات کے لیے سنجیدگی اختیار کریں۔ ہم مذاکرات پر یقین رکھتے ہیں۔ طالبان ایک حقیقت ہیں۔ ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ گزشتہ ایک سال کے دوران امریکی فوج نے افغانستان میں 6 ہزار سے زائد بم برسائے اور طالبان کو شکست دینے کے لیے مختلف صوبوں میں فوجی آپریشن کیا۔ اس جنگ میں افغان سکیورٹی فوج کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ امریکی حکام اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ افغان تنازع کا فوجی حل ممکن نہیں ہے۔

افغانستان میں روسی صدر کے نمائندہ خصوصی ضمیر کابلوف کا کہنا ہے کہ امریکا کی ناکامی کے بعد روس نے امن کوششوں کا آغاز کیا ہے۔ امریکا کو افغانستان میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ہم نے 17 سال انتظار کیا، لیکن وہ ناکام رہا۔ اب طالبان ملک کے 60 فیصد رقبے پر کنٹرول رکھتے ہیں۔ یہ امریکی اور نیٹو فوج کی 17 سالہ جنگ کا نتیجہ ہے۔ امریکا اور اس کے اتحادی طالبان کو شکست دینے میں ناکام ہیں۔ ماسکو نے افغان امن مذاکرات کے آغاز کا کردار ادا کیا۔ کیوں کہ امریکا افغانستان میں ناکام ہو گیا ہے۔ افغانستان میں طویل عرصے سے جاری جنگ کی وجہ سے روس اور اس کے وسطی ایشیا کے اتحادیوں کو سکیورٹی خطرات درپیش ہیں۔ امریکا اور نیٹو نے افغان مسئلے میں مزید اضافہ کیا ہے۔ امریکی خبر رساں ادارے کی رپورٹ کے مطابق ضمیر کابلوف کا کہنا تھا کہ امریکا اور اس کے اتحادی طالبان کو شکست دینے میں ناکام ہیں۔ مغرب افغانستان میں جنگ ہار چکا ہے۔

افغانستان کے لیے امریکی خصوصی نمائندے زلمے خلیل زاد نے بھی اعتراف کیا کہ واشنگٹن افغانستان میں قیام امن کے لیے بے تاب ہے۔ امریکا کوشش کر رہا ہے جتنا جلد ممکن ہو، افغانستان میں امن قائم کرے۔ واشنگٹن کو یقین ہے کہ وہ فوجی طاقت کے ذریعے افغان تنازع حل نہیں کر سکتا۔ اس لیے امن مذاکرات کا آغاز کیا گیا ہے۔ امریکی میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے خلیل زاد نے کہا کہ ٹرمپ نے انہیں چھ ماہ کا وقت دیا ہے کہ وہ اگلے سال اپریل میں ہونے والے صدارتی انتخابات سے پہلے طالبان کے ساتھ مذاکرات مکمل کریں۔ امریکی صدر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ امریکا افغان جنگ میں مزید نقصان اٹھانے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

اشرف غنی نے امریکی خبر رساں ادارے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ چار سال کے دوران افغان سکیورٹی فوج کے 28 ہزار سے اہل کار ہلاک ہوئے۔ افغان تجزیہ کاروں کے مطابق ہر روز کم از کم سو کے لگ بھگ افغان اہل کار اس جنگ میں لقمہ اجل بنتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جنگ طالبان اور افغان فوج کے درمیان ہے یا یہ جنگ طالبان اور امریکی فوج کے درمیان ہے۔ جب کہ افغان سکیورٹی اہل کار محض مفت میں قربانی دے رہے ہیں۔ وہ امریکی جنگ میں بطور ایندھن استعمال ہو رہے ہیں۔ گزشتہ چار برس کے دوران تیس ہزار کے قریب اہل کار ہلاک اور اتنی تعداد میں زخمی اور معذور ہوئے۔ جو دنیا اور آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔ یہ ان کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

آخر کب تک وہ اس غیر مفید اور نقصان دہ جنگ میں ایندھن کے طور پر استعمال ہوتے رہیں گے۔ اس بارے میں انہیں سوچنا چاہیے۔ اس جنگ سے علیحدگی اختیار کرنی چاہیے۔ موجودہ زمانے کی سپر پاور امریکا نے افغان جنگ میں شکست کا اعتراف کر لیا ہے۔ آج نہیں تو کل ضرور اسے انخلا کا فیصلہ کرنا ہو گا۔

مذاکرات اور امریکی دہشت گردی

حسن مومند

عالمی میڈیا پر ایک بار پھر مذاکرات کے ذریعے افغان مسئلے کے حل کی بات جاری ہے۔ میڈیا پر بھی امن بارے مختلف آراء، مباحث، تجزیے اور تبصرے جاری ہیں۔ کئی مرتبہ میڈیا پر مذموم اہداف کے حصول کے لیے تکنیکی طور پر امن اور مذاکرات کی بات چلائی گئی، جو امارت اسلامیہ کی جانب سے معقول موقف آنے کے بعد ختم ہوگئی۔ چوں کہ امریکا واقعۃً سیاسی حل نہیں چاہتا تھا، اس لیے مختلف طریقوں سے بار بار امن اور صلح کی بات اٹھاتا رہا۔ وہ عملی قدم اٹھانے اور طالبان سے براہ راست بات چیت کو تیار نہیں تھا۔ طالبان کو دھوکہ دینے کے لیے کوششیں کی جاتی رہیں۔ امریکا نے ہر جانب سے طالبان پر دباؤ ڈالا۔ لالچ دیا کہ وہ کابل انتظامیہ کے ساتھ بات کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ خوش قسمتی سے طالبان اس دباؤ کے سامنے نہیں جھکے۔

طالبان اپنے معقول اور قانونی موقف پر مضبوطی سے قائم رہے۔ اللہ تعالی کی خاص مدد سے امریکا ان کے مطالبات تسلیم کرنے پر مجبور ہوا۔ طالبان کے ساتھ بات چیت پر آمادگی ظاہر کی۔ زلمے خلیل زاد جیسے تجربہ کار شخص کو مذاکرات کے لیے نمائندہ مقرر کیا گیا۔ وہ افغان روایات و اقدار سے واقف ہیں۔ وہ تقریبا چار عشروں سے امریکا کی افغان پالیسی کی تشکیل اور تنفیذ میں شامل رہے۔ کہا جاتا ہے اس کام کی صلاحیت رکھنے کی وجہ سے ہی ٹرمپ حکومت نے انہیں مذاکرات کے لیے منتخب کیا ہے۔ امریکی توقعات کے مطابق خلیل زاد بہت متحرک ہیں۔ وہ حالیہ تین ماہ میں صرف قطر کے تین دورے کر چکے ہیں۔ امریکی وزارت خارجہ کی جانب سے شائع ہونے والے ایک اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ خلیل زاد اس بار افغانستان، پاکستان، روس، ازبکستان، ترکمانستان، بیلجیم، متحدہ عرب امارات اور قطر کا دورہ کریں گے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے دونوں جانب سے قیدیوں کی آزادی پر رضامندی کا اظہار کیا گیا ہے۔ امارت اسلامیہ نے اپنے قیدیوں کی فہرستیں بھی واشنگٹن کو دے دی ہیں۔ بی بی سی سمیت کچھ عالمی ذرائع ابلاغ نے کہا ہے اگر ان باتوں پر واقعۃً عمل ہو جاتا ہے تو اس سے بلاشبہ فریقین میں اعتماد کی فضا قائم ہوگی۔ یہ اقدامات مذاکرات کی کامیابی میں اہم کردار ادا کریں گے۔

زلمے خلیل زاد اپنا سیاسی عمل اس لیے بہت تیزی سے آگے بڑھا رہے ہیں کہ افغانستان امریکا کے ہاتھوں سے نکلنے والا ہے۔ امریکا عسکری میدان میں ہار چکا ہے۔ اُس کے پاس سیاسی عمل کے علاوہ نکلنے کا باعزت راستہ نہیں ہے۔ امریکا 17 سال میں ڈیڑھ ٹریلین ڈالر صرف کر چکا ہے۔ ہلاک، زخمی، معذور اور اعصابی بیماریوں میں مبتلا ہونے والے فوجیوں کی تعداد پچاس ہزار سے بڑھ گئی ہے۔ طرح طرح کی حکمتِ عملیاں اپنائی گئیں۔ تمام تر جنگی وسائل بروئے کار لائے گئے۔ نتیجہ صفر رہا۔

عجیب بات ہے کہ امریکی سفارت کار، جنرلز، وزراء اور صدر بھی اس کا

اعتراف کر رہے ہیں کہ افغانستان میں جنگ کے ذریعے کامیابی ممکن نہیں ہے۔ اس کے جواب میں امارت اسلامیہ نے بھی اس بار ماضی کی نسبت مذاکرات کی کامیابی کی امیدیں ظاہر کی ہیں۔ ان کی خواہش ہے جتنا جلد ممکن ہو، امریکا کے ساتھ ایک یقینی اور حتمی حل کی جانب پہنچ جائیں۔ اس کے لیے ماہ ماسکو کانفرنس میں امارت اسلامیہ کے پانچ رکنی وفد نے شرکت کی۔ تاکہ مصالحت کے حوالے سے وہاں اپنا موقف پیش کریں۔ دوسری جانب سابق امریکی وزیر دفاع جیمز میٹس نے اپنے بیانات میں کہا کہ وائٹ ہاؤس افغانستان کی جنگ کا خاتمہ چاہتا ہے، مگر اس وقت فوجی انخلا کا ارادہ نہیں ہے۔ انہوں نے یہ باتیں ایسے وقت میں کیں، جب ان بیانات سے قبل خود انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ عسکری طریقے سے افغان مسئلے کا حل ممکن نہیں ہے۔

جیمز میٹس کی رپورٹ کے جواب میں امارت اسلامیہ نے دوٹوک رد عمل ظاہر کیا۔ ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے میڈیا کو بھیجے گئے پیغام میں کہا کہ 'ہم امریکی وزیر دفاع اور دیگر امریکی حکام کو یاد دلاتے ہیں کہ اس حوالے سے افغان عوام کے عزائم انتہائی مضبوط ہیں کہ افغانستان سے امریکی فوجیوں کو بھاگنے پر مجبور کریں۔' انہوں نے مزید کہا کہ چوں کہ امارت اسلامیہ سیاسی طریقے سے امریکا کو افغانستان سے نکالنے کی کوشش کر رہی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ امریکا کے خلاف جاری جہاد روک دیں گے یا افغانستان سے نکلنے یا نہ نکلنے کا فیصلہ امریکا کی مرضی پر چھوڑ دیں گے۔ جب تک ایک بھی امریکی فوجی افغانستان میں موجود ہے، جہاد جاری رہے گا۔

امریکی وزیر دفاع اور دیگر عسکری حکام کے اس طرح کے بیانات افغان مسئلے بارے امریکی سیاست کی دورخی کا اظہار ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے اب تک امریکا کے دل میں میل باقی ہے۔ وہ اپنی جارحیت کو مزید طول دینے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ یہ باتیں درحقیقت مصالحت کی تمام کوششوں پر پانی پھیرنے کے مترادف ہیں۔ اعلی امریکی فوجی افسران بھی طویل عرصے تک رہنے کی باتیں کر رہے ہیں۔ یہاں موجود امریکی فوجیوں نے بھی افغان عوام پر مظالم کا سلسلہ تیز کر دیا ہے۔ غزنی، پکتیا، پکتیکا، خوست، ننگرہار اور قندوز سمیت مختلف حصوں میں عام لوگوں پر اندھی بمباری کا سلسلہ جاری ہے۔ امریکی جارحیت پسند اور کٹھ پتلی انتظامیہ عسکری اور سیاسی میدان میں مجاہدین کے مقابلے میں بڑی شکست کا شکار ہو چکے ہیں۔ وہ اب چاہتے ہیں کہ اس شکست کا بدلہ افغان عوام پر بمباری کر کے لیا جائے۔ اگر امریکا کو توقع ہے کہ وہ دباؤ ڈال کر امارت اسلامیہ کو مذاکرات کے نام ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دے گا اور اس طرح اسے افغانستان میں رہنے کا موقع ملے گا تو اس کا یہ اندازہ بہت بڑی غلطی ہے۔

یہ بات یقینی ہے کہ امریکا اب افغانستان میں قدم جمانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ امریکا کے تمام رہنما اور تجزیہ کار اس پر متفق ہیں کہ عسکری میدان امریکا کے ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔ بہت جلد سیاسی میدان بھی اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ عسکری میدان کے ساتھ ساتھ سیاسی کامیابی بھی امارت اسلامیہ کے حصے میں آئے گی۔ بہت جلد امریکا سیاسی میدان میں بھی اپنی شکست کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گا۔

ان شاءاللہ تعالی

افغان جنگ کے مذاکرات!

ہارون بلخی

جب روس خلاف جہاد کی کامیابی سے مجاہدین کی حکومت قائم ہوئی تو بیرونی اور اندرونی دخل اندازی کے نتیجے میں مجاہدین کے درمیان اختلافات پھوٹ پڑے۔ مجاہدین نے شہداء کی آرزوؤں کی تکمیل اور اسلامی نظام کے نفاذ کے بجائے باہمی جنگوں کا آغاز کر لیا۔ اس دوران ہزاروں لوگ لقمہ اجل بنے۔ ملک کھنڈرات میں بدل گیا۔ ہزاروں خاندانوں نے گھر بار چھوڑ کر ہمسائیہ ممالک میں پناہ لے لی۔ کسی کی جان و مال اور عزت محفوظ نہیں تھی۔ صرف کابل شہر میں حکمرانی کے سات جزیرے تھے۔ ہر علاقے میں علیحدہ نظام رائج تھا۔ عوام امن و امان کو ترس گئے تھے۔ ان کی معاشی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ ہر شخص جان اور اولاد کی زندگی کی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ قدم قدم پر بندوق برداروں کی چیک پوسٹس تھیں۔ دن دیہاڑے مسافر لوٹے جاتے۔

یہ حالات دیکھتے ہوئے ملا عمر رحمہ اللہ نے اصلاح احوال کا عزم کیا۔ وہ سرداروں کے مظالم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ رفتہ رفتہ دیگر مدارس کے طلبہ اور جنگ سے تھکے ہوئے عوام نے ملا عمر کا ساتھ دینا شروع کیا۔ یہ طالبان تحریک کے بالکل ابتدائی دن تھے۔ طالبان نے بہت کم مدت میں مظالم اور خود ساختہ حکومتوں کا خاتمہ کر دیا۔ اسلامی نظام نافذ کیا۔ جس سے عوام کی جان و مال محفوظ ہوئی۔ طالبان کی اس تیز رفتار حرکت سے مغرب میں کھلبلی مچ گئی۔ وہ اس اسلامی نظام کو گرانے کے لیے مختلف حربے استعمال کرنے لگا۔ اس دوران طالبان رہنماؤں کے بیرونی دوروں کے ساتھ ساتھ افغان عوام پر معاشی پابندیاں بھی لگادی گئیں۔ اس کے باوجود اہل مغرب کے تمام حربے ناکام ہوئے۔ آخر نائن الیون کو بہانہ بناتے ہوئے امریکی قیادت میں جدید ٹیکنالوجی سے لیس 49 ممالک نے طالبان کو گرانے کے لیے افغانستان پر چڑھائی کر دی۔ اس دوران چند بگھوڑے جنگجوؤں نے بھی امریکا کا ساتھ دیا۔ جس کے نتیجے میں طالبان کی حکومت ختم ہوئی اور کٹھ پتلی انتظامیہ قائم کی گئی۔

امریکی قیادت میں بنائی جانے والی کٹھ پتلی انتظامیہ میں مختلف جنگجو دھڑوں کے سربراہوں کو تعینات کیا گیا۔ اور ساتھ ہی مغرب میں سالہا سال سے رہائش پذیر کرپٹ افغانیوں کو بھی انتظامیہ کا حصہ بنا دیا گیا۔ افغان مجاہد عوام نے مکمل تعاون سے آہستہ آہستہ خود کو منظم کر کے امارت اسلامیہ کی قیادت میں استعمار اور اس کے حواریوں کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا۔ مغربی استعمار اور کٹھ پتلی انتظامیہ پر خون ریز حملوں کا سلسلہ شروع کیا۔ جو سترہ سال سے جاری ہے۔ اس دوران نیٹو، امریکا، برطانیہ اور فرانس وغیرہ نے بڑے بڑے جنرلوں کو کلیدی عہدوں پر فائز کیا۔ ساتھ ہی زر خرید میڈیا کے ذریعے بڑے بڑے دعوے بھی کرتے رہے کہ 'فلاں جنرل مجاہدین کا خاتمہ کر کے حالات پر قابو پالے گا۔ فلاں جنرل نے فلاں یونیورسٹی سے فوجی تربیت حاصل کر لی ہے۔ وہ جلد ہی دہشت گردوں کا صفایا کر دے گا۔' دشمن کی تمام دھمکیاں اور دعوے جھوٹے اور بے بنیاد ثابت ہوئے۔ استعمار کے تمام جنرل یکے بعد دیگرے رسوا اور ناکام ہو کر اپنے اپنے ملک لوٹ گئے۔ مجاہدین نے اپنے حملوں اور حکمت عملیوں میں تیزی لائی۔ سترہ برس بیت چکے ہیں۔ یہاں بش، بلیئر اور اوباما کی پالیسیاں دم توڑ چکی ہیں۔ موجودہ امریکی صدر کی جنوبی ایشیا کی پالیسی بھی کار آمد ثابت نہیں ہوئی۔ اب امریکی فوج کو افغانستان سے نکلنے کے بہانے ڈھونڈے جا رہے ہیں۔ 70٪ فیصد پر اراضی پر امارت اسلامیہ کا کنٹرول ہے۔ بی بی سی ورلڈ سروس نے چند ماہ قبل ایک سروے کا نتیجہ ظاہر کرتے ہوئے ستر فیصد رقبے پر امارت اسلامیہ کی حکمرانی کی تصدیق کی تھی۔

امارت اسلامیہ جارحیت سے قبل امریکا کے ساتھ تمام مسائل کو مذاکرات

کے ذریعے حل کرنے پر اصرار کرتی رہی۔ امریکا بات چیت اور گفتگو کے بجائے طاقت کی زبان بول رہاتھا۔ اسے اپنی جدید ٹیکنالوجی پر اعتماد تھا۔ آخر کار افغانستان پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس دوران امارت اسلامیہ نے ایک بار پھر امریکا کو مذاکرات کی دعوت دی۔ امریکی حکام کسی صورت آمادہ نہ تھے۔ ہمیشہ امریکی حکام کابل انتظامیہ کو باور کرواتے رہے کہ طالبان افغان حکومت کے ساتھ مذاکرات کریں۔ امارت اسلامیہ نے کابل انتظامیہ سے بات چیت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ امارت کے اعلامیوں میں کہا گیا کہ افغان تنازع کے دو فریق امریکا اور ہم ہیں۔ امریکا نے امارت اسلامیہ کی حکومت ختم کی ہے۔ مذاکرات بھی امریکا ہی کے ساتھ کیے جائیں گے۔ آخر کار امارت اسلامیہ اپنے دیرینہ مطالبے میں کامیاب ہوئی اور امریکی حکام مذاکرات کے لیے آمادہ ہوئے۔ اس حوالے سے امریکی جنرل اسکاٹ میلر صاف کہہ چکے ہیں کہ طالبان کو ہرایا نہیں جاسکتا۔ امن کے لیے سیاسی گفت وشنید ہی حل ہے۔ مزید برآں امریکی جوائنٹ چیف آف آرمی اسٹاف جنرل جوزف ڈنفورڈ بھی اعتراف کر چکے ہیں کہ 'افغانستان میں طالبان کی پوزیشن کافی مضبوط ہے۔' جب امریکی جنرل میکنزی نے امریکی سینیٹ میں آرمڈ فورسز کمیٹی میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ 'افغان جنگ میں پیش رفت نہیں ہو رہی، افغان فوجیوں کی بڑی تعداد میں اموات ناقابل برداشت ہیں۔ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ طالبان سے مذاکرات کا سلسلہ جاری کیا جائے۔ اس دوران سابق امریکی وزیر دفاع جیمز میٹس نے صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہ افغانستان کے لیے سترہ سالہ جنگ بہت زیادہ وقت ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ افغان مسئلے کو مذاکرات کے ذریعے حل کیا جائے۔ اسی لیے امریکی وزارت خارجہ نے اپنے خصوصی ایلچی زلمے خلیل زاد کو افغان تنازع کے حل کی خاطر امارت اسلامیہ کے نمائندوں سے بات چیت کے لیے منتخب کیا ہے۔

افغان مجاہد عوام کے عزم نے امریکا کو غرور کی بلندیوں سے نیچا گرادیا ہے۔ وہ اب امارت اسلامیہ کے ساتھ ہر قسم کے مذاکرات کے لیے آمادہ ہے۔ امریکا زمینی حقائق کا ادراک کرنے پر مجبور ہوا ہے۔ اس حوالے سے چند روز قبل نیٹو کمانڈر نے کہا کہ 'طالبان بہت مضبوط اور طاقتور ہیں۔' نیویارک ٹائمز کے مطابق امریکا جان گیا ہے کہ طالبان کو شکست دینا ناممکن ہے۔ افغان فوجیوں کے ہاتھوں نیٹو فوجیوں کے قتل نے امریکا کی ہمت توڑ دی ہے۔ افغان عوام میں مجاہدین کی تیزی سے بڑھتی مقبولیت کی وجہ سے کابل کٹھ پتلی انتظامیہ کے سینے پر سانپ لوٹ رہے ہیں۔ دوسری جانب کابل انتظامیہ کے سربراہ اشرف غنی مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کر رہے ہیں۔ کبھی میڈیا میں افواہات پھیلاتے ہیں کہ امارت اسلامیہ کے نمائندوں کے ساتھ سعودی عرب میں ملاقات ہونے والی ہے۔ جس کی امارت اسلامیہ کے ترجمان نے فوراتردید کر دی کہ کابل انتظامیہ سے ہر قسم کی نشست و گفتگو سے انکار ہے۔ کابل انتظامیہ کے سربراہ نے اس پر بھی اکتفا نہیں کیا۔ افغان میڈیا میں نام نہاد تجزیہ نگاروں کو بٹھا کر عوام میں تشویش پیدا کر رہے ہیں۔ مذاکرات بارے من گھڑت اور بے بنیاد پروپیگنڈے پھیلا رہے ہیں۔ روزانہ زر خرید میڈیا کی شہ سرخیاں مجاہدین کے خودساختہ قتل عام سے لبریز ہوتی ہیں۔

امریکی قیادت یہ بات اچھی طرح سمجھتی ہے کہ جب افغان سرزمین پر ایک لاکھ سے زائد امریکی فوجی تعینات تھے، تب بھی وہ صورت حال کنٹرول کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے۔ اگر افغانستان سے باعزت اور پرسکون طور پر نکلنے کے لیے امریکا کوئی راستہ چاہتا ہے تو امارت اسلامیہ کو برابری کی سطح کا فریق ماننا پڑے گا۔ اس کے لیے لازم ہے ہر معاملے کو طاقت کے ذریعے طے کرنے کی سوچ کو خیر باد کہا جائے۔ امریکی حکومت کے سرکاری نگران ادارے اسپیشل انسپکٹر جنرل فار افغان ری کنسٹرکشن (سگار) نے افغانستان کی صورت حال کے حوالے سے ایک رپورٹ تیار کی ہے۔ اس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ امریکا افغانستان میں کنٹرول کھو چکا ہے۔ امریکی حمایت یافتہ افغان حکومت کے زیر کنٹرول اضلاع کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ اس کے مقابل ان علاقوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، جہاں طالبان کا اثر و رسوخ ہے۔

جب بھی افغانستان پر کسی بیرونی قوت نے حملہ کیا ہے، جلد یا بدیر اُسے بوریا بستر لپیٹ کر نکلنا ہی پڑا۔ اگر امریکا چاہتا ہے افغان مسئلہ بہتر انداز سے حل ہو تو اسے امارت اسلامیہ کے مطالبے کو ماننا پڑے گا۔ تاکہ افغانستان میں استحکام ہو اور امریکی فوج کے لیے باعزت طریقے سے نکلنے کی راہ ہموار ہو۔ نتیجہ واضح ہے کہ امریکا ایک 'حقیقی کمر توڑ' جنگ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ امارت اسلامیہ کے سیاسی کمیشن کے سربراہ کے مطابق 'امریکا مذاکرات اور افہام و تفہیم کے ذریعے افغانستان سے نہیں نکلتا تو ہم اسے طاقت کے زور پر نکال باہر کریں گے۔

امریکا، طالبان اور مذاکرات

محمد بشیر فرہاد

آج کل میڈیا سمیت ہر فورم پر طالبان امریکا مذاکرات سے متعلق تجزیے اور بحثیں ہو رہی ہیں۔ اس کی ضرورت اور اہمیت پر ٹاک شوز کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ دوسری طرف خود امریکا بھی اس حوالے سے متحرک ہے۔ وہ مختلف ممالک کے لیے نمائندے روانہ کر کے سے صلاح و مشورے کر رہا ہے۔ افغانستان کے پڑوسی ممالک کے پاس بھی باقاعدہ نمائندے بھیجے گئے ہیں۔ امریکی سیاست دان، وزراء، جنرلز اور خود امریکی صدر نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ افغان مسئلہ طاقت سے حل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے حل کے لیے طالبان کے ساتھ بامقصد مذاکرات کا آغاز کیا ہے۔ ان کی کوشش ہے افغانستان کا مسئلہ سنجیدہ کوشش کے ذریعے کسی حتمی نتیجے پر پہنچ جائے۔ دوسری جانب طالبان کی بھی خواہش ہے کہ جلد از جلد امریکا کے ساتھ مفید مذاکرات ہوں۔ اس کے لیے ماسکو کانفرنس کے لیے پانچ رکنی وفد بھیجا، تاکہ امارت اسلامیہ کے مؤقف کی وضاحت کے ساتھ ساتھ کانفرنس کے شرکا کو سترہ سالوں سے صلح کی راہ میں حائل رکاوٹوں سے بھی آگاہ کیا جائے۔

ماسکو کانفرنس میں امارت اسلامیہ کے نمائندوں نے اپنا مؤقف جان دار دلائل کے ساتھ پیش کیا۔ انہوں نے کہا 'افغان بھی اسی طرح آزادی وخود مختاری کا حق رکھتے ہیں، جس طرح دنیا کے دیگر ممالک ہیں۔ افغانوں کو ان کا حق دلانے کے لیے امریکی فوج کو مکمل طور پر افغانستان سے نکل جانا چاہیے۔' انہوں نے عالمی برادری کو متوجہ کرتے ہوئے کہا اگر عالمی برادری افغانستان میں امن لانے میں سنجیدہ ہے تو بلاتاخیر امریکی فوج کے انخلا کے لیے کوششیں کر کے افغانوں کا حق آزادی تسلیم کریں۔ البتہ مستعفی ہو جانے والے امریکی وزیر خارجہ جیمس میٹس نے کہا کہ 'ہم افغانستان کا مسئلہ فوج نکالے بغیر حل کرنا چاہتے ہیں۔' سابق وزیر خارجہ کے اس بیان کے رد عمل میں امارت اسلامیہ نے دوٹوک مؤقف اپنایا۔ امارت اسلامیہ کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے میڈیا کو دیے گئے بیان میں کہا کہ افغانوں نے امریکی فوج کو افغان سرزمین سے نکالنے کا پکا عزم کیا ہے۔ امریکا کو سیاسی حکمت عملی کے ذریعے نکالے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عسکری میدان میں شکست کھا چکے ہیں یا امریکا کو نکالنے اور نہ نکالنے کا فیصلہ امریکا کے سپرد کیا ہے۔ ہمارا واضح اعلان ہے جب تک ایک امریکی فوجی افغانستان میں ہوگا، ہم اپنی خود مختاری کے لیے جہاد جاری رکھیں گے۔ امریکی وزیر دفاع کے تازہ بیانات سے ظاہر ہے وہ اب بھی افغانستان میں مزید عرصہ رہنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس طالبان بھی امریکا کے ساتھ کسی سمجھوتے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ کیوں کہ امارت اسلامیہ فتح کے احساس سے سرشار ہے۔ جنگ میں جو فریق فتح کے زیادہ قریب ہو، وہ اپنے مدمقابل کے ساتھ احساس برتری رکھ کر شرائط کا جائزہ لیتا ہے۔ اسی لیے امارت اسلامیہ کے نمائندے جب امریکا کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں تو اُن میں احساسِ برتری موجود ہوتا ہے۔ جب کہ امریکا احساس کمتری اور شکست خوردہ فریق کے طور پر سامنے آتا ہے۔ کئی امریکی جنرلز نے اپنی واضح شکست کا اعتراف کیا ہے۔ ایسے مواقع پر جنرلز کے بیانات غیر معمولی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ایک جنرل کسی طرح یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ کسی ملک سے شکست کے اعتراف کے ساتھ واپس جائے۔ اس صورت حال کے پیش نظر یہ بات واضح ہے کہ امریکا شکست خوردہ فریق ہے۔ امریکی صدر ٹرمپ نے بھی اعتراف کیا کہ وہ جنگ ہار چکے ہیں۔ کابل انتظامیہ کے نائب سربراہ ڈاکٹر عبداللہ نے پہلی مرتبہ طالبان کے ساتھ مذاکرات کی حمایت کی۔ انہیں علم ہے کہ امریکا کی واضح شکست کی باتیں اب زبان زد عام وخاص ہیں۔

قطر میں امریکا اور طالبان نمائندوں کی بار بار ملاقاتیں بھی اس امر کی غمازی کرتی ہیں کہ امریکا عسکری لحاظ سے مکمل شکست کھا چکا ہے۔ اب وہ دنیا کو یہ باور کرا رہا ہے کہ گویا ہم سیاسی طریقے سے افغان مسئلے کے حل کے لیے مذاکرات کر رہے ہیں۔ تجزیہ نگاروں کے مطابق امریکا پر اعتماد کرنا دانش مندی نہیں ہے۔ اس نے اپنی فوج نکالنے کے حوالے سے کوئی واضح مؤقف نہیں اپنایا۔ طالبان کے جہاد کا ماحصل یہی ہے کہ وہ خود مختاری حاصل کر کے امریکا کو مکمل طور پر نکالنے پر مجبور کریں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے امریکا کے ساتھ گفتگو کے دوران طالبان کو احساس برتری کے ساتھ بات کر کے انہیں ترکی بہ ترکی جواب دینا چاہیے۔ امریکا کو یہ باور کرا دینا چاہیے کہ طالبان اپنی خود مختاری پر کسی قسم کی سودابازی نہیں کر سکتے۔ جس طرح عسکری میدان میں امریکا کو شکست سے دوچار کیا ہے۔ اسی طرح سیاسی میدان میں بھی وہ جارح قوتوں پر واضح کرے کہ وہ اپنی قربانیوں کی لازوال تاریخ نہیں بھلا سکتے۔ بیرونی فوج کے مکمل انخلا کے مؤقف پر کسی طرح نرمی نہیں دکھائی جاسکتی۔

یہ حقیقت عیاں ہے کہ افغانستان میں شکست خوردہ امریکا یہاں سے نکلنے کے لیے کوئی بہانہ تلاش رہا ہے۔ امریکی سیاست دان بھی کئی بار عندیہ دے چکے ہیں کہ ہم نے عسکری میدان میں شکست کھائی ہے۔ اب ناکام پالیسیوں کی بدولت سیاسی میدان میں بھی شکست کے قریب ہیں۔ اس صورت حال میں طالبان کو پھونک پھونک کر قدم رکھنے چاہییں۔ سیاسی میدان میں بصیرت افروز فیصلے کرنا ہوں گے۔ امریکی منافقت پر کڑی نظر رکھ کر نہایت ٹھنڈے دل ودماغ سے حالات کا جائزہ لے کر آگے بڑھنا چاہیے۔ حالات کی نزاکت کا احساس اور اپنے شان دار ماضی کے مطالعے اور خود احتسابی کے ساتھ فیصلے کیے گئے تو عسکری میدان کی طرح سیاسی میدان بھی فتح کے دن قریب ہیں۔ ان شاء اللہ

طالبان کے ترانوں کی بازگشت

حبیب اللہ رفیع

جہاد کے شوق میں جہادی نظموں کا بڑا کردار ہے۔ دلوں پر اثرانداز ہونے والی نظمیں مزاحمتی تحریک کا اہم عنصر ہیں۔ اگرچہ افغانستان میں اشعار اور ادب کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ تاہم موجودہ نظموں اور ترانوں کا دور روس کے خلاف جہاد کے وقت سے شروع ہوا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس شعبے نے پیش رفت کی ہے۔ اس مضمون میں یہ موضوع زیر بحث لائیں گے کہ دشمن اور مغرب جہادی نظموں کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں؟ افغان جنگ میں شریک ایک امریکی جنرل تھامس جانسن نے امارت اسلامیہ کے میڈیا اور مجاہدین کی کامیابی، خاص کر جہادی نظموں کے اثر ورسوخ بارے 'طالبان کی داستان اور افغان جنگ میں طاقت کے استعمال کی کہانیاں' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں افغان جنگ میں امریکی شکست کے اسباب اور عوامل بیان کیے ہیں۔ امریکا کے ایک مشہور میڈیا stars and stripes نے مذکورہ بالا عنوان کے ساتھ اس کتاب بارے ایک مضمون شائع کیا ہے۔ اس میں جہادی نظموں کے اثرات اور اثر و رسوخ کے موضوع کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

اب بحری فوج کے ایک اسکول میں ٹیچر کی خدمات انجام دینے والے جنرل تھامس نے لکھا ہے افغانستان میں امریکا اپنی تاریخ کی طویل جنگ ان فوجیوں کی طاقت سے نہیں جیت سکتا، جن کے سامنے جو کچھ بھی آتا ہے، وہ صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس جنگ میں پیش رفت پروپیگنڈا مہم میں کامیابی سے منسلک ہے۔ جو بھی اچھا پروپیگنڈا کرے، وہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ طالبان نے جہادی نظموں اور ترانوں سے فائدہ اٹھایا ہے اور افغان لوگوں کو یقین دلایا ہے کہ امریکا اور اس کے اتحادی حملہ آور ہیں۔ جب کہ امریکا افغان عوام کو سمجھانے میں ناکام ہوگیا ہے کہ اس ملک میں غیر ملکی فوجیوں کی موجودگی کتنی ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ طالبان کی سستی اور سادہ تکنیکوں کے مقابلے میں امریکا کا اعلی سطحی پروپیگنڈا افغان عوام کے دل جیتنے میں ناکام رہا ہے۔

جانسن نے طالبان کے اشعار، نظموں اور رسالوں کو جمع کرنے کی سات سالہ جدوجہد سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ طالبان نظموں اور اشعار میں ان موضوعات سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جو سوویت یونین کی جارحیت کے خلاف بہترین ہتھیار ہیں۔ وہ اپنی نظموں میں ان موضوعات کو پروپیگنڈے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جیسے غیر ملکی فوج سے آزادی، اللہ تعالی، ملک اور قوم کے لیے قربانی دینا۔ طالبان نے افغان عوام کو اپنی نظموں کے ذریعے یہ پیغام دیا ہے کہ وہ آزادی کی اس جنگ میں ان کا ساتھ دیں۔ جانسن نے طالبان کے اشعار، نظموں اور سوشل میڈیا میں شائع شدہ پوسٹوں کی چند مثالیں پیش کی ہیں۔ افغانستان وہ ملک ہے، جہاں لوگ شاعری اور ادب کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ طالبان کے اشعار دیہاتی لوگ بہت

شوق سے سنتے اور پڑھتے ہیں۔ طالبان کی نظموں سے بہت سے لوگ متاثر ہیں، جو پروپیگنڈا مہم میں امریکا کی شکست کا ایک بنیادی سبب ہیں۔ جنرل جانسن نے طالبان کے اشعار اور نظموں کا مجموعہ جمع کرنے میں سات سال گزار دیے۔ ان کا کہنا ہے طالبان کی کامیابی اور امریکا کی شکست میں ان نظموں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ طالبان سادہ اور آسان طریقے سے لوگوں تک اپنے پیغامات ان نظموں کے ذریعے پہنچاتے ہیں۔ لوگوں کے جذبات اور احساسات کو ابھارتے ہیں۔ مذہب اور ملک کے دفاع کا جذبہ بیدار کرتے ہیں۔

Poetry of the Taliban نامی اس کتاب کو سی ہورسٹ پبلشر نے چند برس قبل لندن سے شائع کیا۔ ایلیکس اسٹریک اور فلیکس کوہن دو ماہرین ہیں، جو طالبان کی تحریک اور مہمات پر تحقیق کرتے ہیں۔ سیاسی امور کے یہ دو تجزیہ کار اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ طالبان کو اچھی طرح جاننے کے لیے عالمی برادری اور خاص طور پر مغربی دنیا کے لیے ضروری ہے وہ ان کے ادب، شعر اور نظموں کو بھی سمجھیں۔ نظمیں اور ترانے طالبان کی روحانی قوت پر مضبوط اثر رکھتے ہیں۔ ان دو ماہرین نے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ نیٹو اور امریکی حملہ آوروں کے خلاف مزاحمت کے دوران طالبان کی تمام نظموں کو جمع کر کے دو افغان ترجمانوں کے ذریعے انگریزی زبان میں ان کا ترجمہ کریں گے۔ برطانیہ میں شائع ہونے والی اس کتاب کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس کو مشہور ادبی کتب میں سے سمجھا جاتا ہے۔ یہ کتاب شائع کرنے کے بعد کچھ لوگوں نے اشعار جمع کرنے والوں پر الزام لگایا کہ وہ عالمی سطح پر طالبان کے لیے بالواسطہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ تاہم کتاب کے مصنفین نے فلیکس کوہن میڈیا کو بتایا کہ ان کے کام کی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ نیٹو اور امریکی فورسز کے خلاف مزاحمت کے بعد اب بین الاقوامی سطح پر لوگ طالبان کو جاننے کی خواہش رکھتے ہیں۔ طالبان کو جاننے اور ان کے احساسات کو سمجھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ ان کی نظمیں اور ترانے سن کر ان کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ وہ کیا چاہتے اور کیا سوچتے ہیں؟!

دو سال قبل بی بی سی پشتو نے بھی طالبان کی نظموں اور ترانوں بارے ایک رپورٹ شائع کی تھی۔ کابل میں بی بی سی کے نامہ نگار نے کابل اور دیگر صوبوں سے آنے والے لوگوں اور ڈرائیوروں سے طالبان کی نظموں بارے پوچھا تھا کہ وہ طالبان کی نظمیں کیوں سنتے ہیں؟ کچھ لوگوں نے جواب دیا کہ طالبان غیر ملکی فوجیوں کے خلاف جہاد کرتے ہیں۔ ان کی نظموں میں جہاد سے متعلق درس دیا جاتا ہے۔ طالبان کے نعت خواں پرسوز آواز میں جہادی ترانے ریکارڈ کرتے ہیں۔ جن سے لوگ محظوظ ہوتے ہیں۔ جب کہ کچھ نے کہا کہ وہ طالبان کے حامی نہیں ہیں، پھر بھی ان کی نظمیں بڑے شوق سے سنتے ہیں۔ کیوں کہ ان کی سریلی آوازوں سے وہ لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم کابل کے شہری ہیں اور بہت شوق اور دل چسپی کے ساتھ طالبان کی نظمیں سنتے ہیں۔ موبائل، میموری کارڈ میں گانوں کے بجائے طالبان کی نظمیں سیو کرتے اور سنتے ہیں۔

مذکورہ بالا حوالوں کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے جہادی نظموں اور شاعری کا حملہ آوروں کے خلاف جہاد میں اہم کردار ہے۔ شاعروں اور نعت خوانوں نے جہادی نظموں کے ذریعے افغان عوام کو جارحیت پسندوں کے خلاف جہاد کا جذبہ دینے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ عالمی سطح پر بھی انہیں پذیرائی ملی اور اب مغربی دنیا کے مطالعاتی مراکز تحقیق کرتے اور ان کے اثر و رسوخ پر کتابیں لکھتے ہیں۔

سیاسی و تاریخی اصلاحات

ابوالکلام

ذرائع ابلاغ میں عام طور پر جو اصطلاحات اور محاورات استعمال ہوتے ہیں، وہ اکثر مخصوص پس منظر رکھتے ہیں۔ اکثر قارئین ان سے لاعلم ہوتے ہیں۔ ایسی اصطلاحات سیاسی اور تاریخی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ ایک سیاسی رہنما نے جلسے میں ایک لفظ بول دیا، جسے میڈیا نے نشر کر دیا۔ آگے جا کر وہی لفظ محاورے کے طور پر استعمال ہونے لگا۔ کبھی کوئی واقعہ رونما ہوا، جس کے ساتھ کوئی اصطلاح بھی وجود میں آئی اور اسی اصطلاح کو قلم کاروں نے اپنی تحریروں میں لکھنا شروع کر دیا۔ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ عام قارئین ایسی اصطلاحات اور محاورات کو نہیں سمجھ پاتے۔ اسی کم فہمی کی بنا پر کسی کتاب یا تحریر سے استفادہ بھی نہیں کر پاتے۔ زیر نظر تحریر میں ایسے محاورات اور اصطلاحات لکھی جا رہے ہیں، جو ماضی میں کسی مخصوص پس منظر میں استعمال ہوئی ہوں، ان سے آج تک کسی ممتاز لکھاری کا مضمون اور کتاب خالی نہ ہو۔

آزادیِ اظہار رائے یا آزادیِ اشاعت:

اس سے مراد یہ ہے کہ کسی بھی ریاست کے باشندوں کو اظہار رائے یا کسی بھی نوع کے مواد کی نشر و اشاعت کی آزادی ہے۔ آج کے ترقی یافتہ ممالک میں اس کی ضمانت دی گئی ہے۔ (یہی وجہ ہے جدید مغربی ممالک میں توہینِ رسالت اور دیگر شعائر کی توہین کے واقعات معمول بن گئے ہیں۔)

آمر یا آمریت، (Dictator):

رومن عہد میں ڈکٹیٹر ایک قسم کا مجسٹریٹ ہوتا تھا۔ اسے غیر معمولی حالات میں چھ ماہ کے لیے اختیارات تفویض کیے جاتے تھے۔ جدید زمانے میں ڈکٹیٹر ایسے حکمران کو کہا جاتا ہے، جو آئینی حدود سے تجاوز کردہ اختیارات کا مالک ہو۔ جرمنی میں ایڈولف ہٹلر، اٹلی کے مسولینی، فرانس کے نپولین بوناپارٹ اور پڑوسی ملک پاکستان میں جنرل ایوب خان، جنرل یحیٰ خان اور جنرل پرویز مشرف مشہور ڈکٹیٹر ہیں۔ آمریت یا مطلق العنان حکومت اس نظام کو کہا جاتا ہے، جس میں کوئی شخص (حکمران) ملکی قوانین کو نظر انداز کرتے ہوئے طاقت کے بل بوتے حکومت کرتا ہو۔

انسانی حقوق (Human Rights):

'انسانی حقوق' کا وہ نظریہ ہے، جس کے تمام انسان یکساں طور پر حق دار ہیں۔ انسانی حقوق کا جدید تصور دوسری جنگ عظیم کے بعد ترتیب دیا گیا۔ اس کی بڑی وجہ بڑے پیمانے پر قتلِ عام بنا۔ اسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 1948 میں ترتیب دیا۔ اس میں زندگی کے حقوق، آزادی کے حقوق، جائیداد کے حقوق، بحث و مباحثہ کے حقوق، ووٹ کا حق، الیکشن کا حق، پبلک افیئرز کے حقوق اور سیاسی افیئرز کے حقوق شامل ہیں۔

انقلاب روس:

انسانی تاریخ میں جن انقلابات نے فکرِ انسانی کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا، ان میں 1917 کا انقلاب روس ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ اس انقلاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا انقلاب فروری میں ہوا۔ اس میں 'زار' (روسی بادشاہ کا لقب) کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور عبوری حکومت قائم کی گئی۔ دوسرا انقلاب اکتوبر میں برپا ہوا۔ اس میں اشتراکیوں نے عبوری حکومت کا خاتمہ کر کے اقتدار پر قبضہ کیا اور دنیا میں پہلی اشتراکی جمہوریت قائم ہوئی۔

افراطِ زر:

افراطِ زر معیشت میں موجود اشیا کی قیمتوں میں مسلسل اضافے کی شرح کو کہتے ہیں۔ اس کی وجہ حکومت کی آمدن اور اخراجات میں عدم توازن اور حکومت کا اپنی آمدنی بڑھانے کے لیے زیادہ نوٹ چھاپنا ہوتا ہے۔

نظریہ ارتقا:

وہ نظریہ، جس کے مطابق مادے میں نشوونما اور تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ مادی اشیا ترقی کرتی ہیں۔ اس نظریے کو پیش کرنے والا ڈارون ہے۔

استعمار اور استعماریت:

کسی آزاد ملک کو غلام بنا کر وہاں طاقت کے بل بوتے اپنی یا وہاں کے مقامی لوگوں پر مشتمل حکومت تشکیل دینا۔ (جیسے عصر حاضر کے استعمار امریکا نے افغانستان پر جارحیت کر کے کٹھ پتلی حکومت قائم کی ہے یا جیسے 20ویں صدی کے اوائل میں برطانیہ نے ہندوستان جیسے کئی ممالک پر قبضہ کر کے اُنہیں توڑا اور جاتے ہوئے وہاں کی حکومت اپنے غلاموں کو دے گیا، جو آج تک مقامی آبادی پر مسلط ہیں۔)

انجینئرڈ انتخابات:

وہ انتخابات، جن کے نتائج پہلے سے طے شدہ ہوں۔ مقتدر حلقوں کی جانب سے وسیع تر مداخلت کے نتیجے میں ہونے والے الیکشن، جن میں مکمل انتخابات پر اثر ڈال کر مرضی کے نتائج حاصل کیے جائیں۔

ایساف:

افغانستان میں نیٹو کی قیادت میں سکیورٹی مشن کا نام۔ اسے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے دسمبر 2001 میں قرارداد 1386ء کے ذریعے قائم کیا تھا۔ اس کا اصل مقصد افغان سکیورٹی فورسز کو تربیت فراہم کرنا اور افغان سرکاری اداروں کی تعمیرِ نو میں تعاون کرنا تھا۔ ایساف نے مجاہدین کے خلاف جنگ میں بھی حصہ لیا۔ مگر وہ کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔ ایساف نے 2014 میں اپنی کارروائیاں روک دیں۔ تاہم محدود تعداد میں اب بھی افغانستان میں اس کے کمانڈو موجود ہیں، جنہیں مجاہدین نے ان کے تمام تر جدید وسائل کے باوجود بدترین شکست سے دوچار کیا ہے۔

بالشویک:

بالشویک کیمونزم کا روسی نام ہے۔ اس کا استعمال پہلی بار 1903 میں لندن میں منعقد روسی سوشل ڈیموکریٹک مزدور پارٹی کے اجلاس میں ہوا۔ اس میں کارل مارکس کے پیروکاروں کو اکثریت حاصل ہوئی تھی۔ اس لیے ان کو بالشویک (اکثریت والے) کہا گیا۔ ان کے مقابلے میں اقلیت کو منشویک کہا گیا۔ بالشویکوں کا لیڈر لینن تھا۔ بالشویک پارٹی کا مقصد کارل مارکس کی تعلیمات کی روشنی میں روس کے محنت کشوں کو انقلاب کے لیے منظم کرنا اور روس کی حکومت کا خاتمہ کر کے محنت کشوں کی حکومت قائم کرنا تھا۔

بفر زون:

دو مخالف ملکوں کے درمیان غیر جانب دار علاقہ، جو تصادم روکنے کے لیے کے کام آتا ہے۔ ایسا علاقہ، جو دو ملکوں کے درمیان تصادم زائل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ مخالف گروہوں یا ملکوں کے درمیان ایسے غیر جانب دار خطے کا ہونا اکثر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ وہ دونوں کے درمیان توازن اور امن برقرار رکھنے میں معاون ہوتا ہے۔

ترقی یافتہ:

صنعتوں سے مالا مال جدید اور معاشی طور پر مستحکم ملک کے لیے یہ اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

ترقی پسند:

جدید معاشی اور سائنسی افکار و نظریات کا حامی ہونا۔ یہ اصطلاح ترقی پسند بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے افراد یا پارٹیاں اپنے لیے استعمال کرتی ہیں۔

تحریک التوا:

کسی قانون ساز ایوان یا انتظامی مجلس میں کسی زیر بحث موضوع کو روک کر کسی فوری اور انتہائی اہم نوعیت کے مسئلے کو زیر بحث لانے کی تحریک کو 'تحریکِ التوا' کہا جاتا ہے۔

تیسری دنیا:

ماہرین معاشیات نے تمام ممالک کو معاشی لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ وہ انہیں تین دنیاؤں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

پہلی دنیا: امریکا، آسٹریلیا، مغربی یورپ اور اسکنڈی نیویا کے ممالک، سعودی عرب اور جاپان وغیرہ۔

دوسری دنیا: کمیونسٹ ممالک۔

تیسری دنیا: ایشیا،افریقا اور لاطینی امریکا کے ترقی پذید اور غریب ممالک۔

تھنک ٹینک: تحقیقی گروپ، اصلاح کار۔ ماہرین کا وہ گروپ، جو کسی شعبے میں تحقیق کر کے حکومت، پارٹی یا کسی ادارے کو مشورے دے۔

جارحیت:

بین الاقوامی قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی حکومت کا مسلح طاقت کے استعمال پر اُتر آنا۔ ماضی میں اس کی تعریف مختلف شکلوں میں کی جاتی رہی ہے۔ مثلاً اعلان جنگ۔ حملہ۔ بم باری۔ ناکہ بندی۔ باہمی جھگڑوں کے پُرامن تصفیے سے انکار۔ بین الاقوامی اداروں کے کہنے کے باوجود جنگ بندی سے انکار... یہ تمام کوائف جارحیت کے مترادف ہیں۔

جیوپولیٹکس:

وطن پرستی اور قوم پرستی کے جذبات کو اتنا ابھارا جائے کہ ایک قوم دنیا پر حکومت کرنے کی خواہش کرنے لگے۔ جیوپولیٹکس کی اصطلاح سب سے پہلے جرمن کی نازی پارٹی نے استعمال کی۔

خاتون اول:(first lady)

خاتون اول کی اصطلاح کسی بھی مملکت کے سربراہ کی اہلیہ کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

بیوروکریسی، نوکرشاہی، افسر شاہی: بیوروکریسی دراصل فرانسیسی زبان کا لفظ ہے۔ نپولین کے دور حکومت میں سرکاری محکموں کو 'بیرو' کہا جاتا تھا۔ سرکاری افسران کو بیوروکریٹ۔

زرد صحافت:

'زرد صحافت' صحافت کی ایک انتہائی پست ترین شکل ہے۔ اس میں کسی خبر کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں خبر کی اصل روح یا مفہوم تبدیل اور مسخ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اصل خبر قاری کی نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے یا خبر کے سنسنی خیز پہلو پر اتنا زور دیا جائے کہ اس کی شکل ہی بدل جائے۔

سول نافرمانی:

حکومت کی لگائی ہوئی پابندی کو توڑنا۔ سرکاری احکامات کی خلاف ورزی کرنا اور حکومتی احکامات کی تعمیل نہ کرنا۔

سیکورٹی اسٹیٹ:

جب کسی ریاست کو داخلی اور خارجی محاذوں پر اپنے لیے مستقل خطرات محسوس ہوتے ہیں تو ریاست اپنی سلامتی کے تحفظ کو سب سے بڑا ایجنڈا بنا لیتی ہے۔ ہر وقت مقابلے اور جنگ کی کیفیت میں رہنا ضروری سمجھتی ہے۔ ایسی ریاست داخلی اور خارجی محاذوں پر ہر وقت جنگ لڑنے کی تیاری رہتی ہے۔ اس کے لیے ریاست کے اندر بنیادی انسانی حقوق غیر اہم ہو جاتے ہیں۔ ریاستی جبر نہ صرف جائز بلکہ احسن قرار دیا جاتا ہے۔ ایسی ریاست کو 'سیکورٹی اسٹیٹ' قرار دیا جاتا ہے۔

قرون وسطیٰ: قرون وسطیٰ تین حصوں میں منقسم یورپ کی روائتی تاریخ کا درمیانی عہد ہے، جو چھٹی صدی عیسوی سے شروع ہو کر 16 ویں صدی پر ختم ہوتا ہے۔ یہ تقریباً ایک ہزار سال کا دورانیہ ہے۔

مقدس گائے:

ہندوؤں کے عقیدے میں گائے کو مقدس مقام حاصل ہے۔ وہ اسے 'گاؤماتا' کہتے ہیں۔ اسے ماں کا درجہ دیتے ہیں۔ ہندوؤں میں گائے کے پیشاب سے بھرے جار قیمتاً فروخت ہوتے ہیں۔ ہندو گائے کے تقدس کی وجہ سے اس کے پیشاب و گوبر کو بھی 'پروتر' سمجھتے ہیں۔ مقدس گائے کی اصطلاح ہندوؤں کی گائے کے تقدس سے مستعار ہے۔ آج کل 'مقدس گائے' کی اصطلاح کسی بھی ادارے کے اُس فرد یا شعبے کے لیے استعمال کی جاتی ہے، جب اُس کی غلطیوں پر تنقید کی جائے تو وہ اُسے برداشت نہ کر سکے۔ وہ خود پر کسی بھی نوعیت کی تنقید کو ملک، شعبے یا فرد کے خلاف سازش قرار دے کر خود کو اپنی غلطیوں کی جواب دہی کی ذمہ داری کے محفوظ رکھنا چاہیے۔

خلیل زاد کی مذاکراتی جدوجہد

خبیر احمد مختار

افغان جنگ کے خاتمے کے لیے امریکی خصوصی نمائندے زلمے خلیل زاد نے مختلف ممالک کے طوفانی دورے کیے ہیں۔ انہوں نے گزشتہ دو ماہ کے دوران تین بار قطر کا دورہ کیا اور طالبان کے سیاسی دفتر کے نمائندوں سے ملاقاتیں کیں۔ زلمے خلیل زاد افغان نژاد امریکی سفارت کار ہیں۔ گزشتہ چار دہائیوں سے افغانستان کے معاملات کے بارے میں امریکی سیاست اور پالیسی بنانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ انہوں نے 80 کی دہائی کے دوران جنیوا مذاکرات اور معاہدے میں افغانستان سے سابق سوویت یونین کے انخلا کے وقت بھی امریکی نمائندے کے طور پر شرکت کی تھی۔ وہ امریکی وفد کے اہم رکن تھے۔

اگرچہ روسی حکام نے افغان جہاد اور لاکھوں شہداء کی قربانیوں کی بدولت شکست سے دوچار فوجیوں کے انخلا کا فیصلہ کیا تھا، تاہم عالمی سطح پر بدنامی اور رسوائی سے بچنے اور باعزت واپسی کے لیے ایک بہانہ تلاش کیا اور 14 اپریل 1988 میں جنیوا میں اقوام متحدہ کے زیر نگرانی اس معاہدے اور فیصلے پر دستخط کیے کہ 9 ماہ میں افغانستان سے انخلا کا عمل مکمل کیا جائے گا۔ سوویت یونین نے افغانستان میں گوریلا جنگ میں شکست سے دوچار ہونے کے بعد اپنے حواریوں اور ایجنٹوں کو سیاسی نظام فراہم کرنے کے بجائے نظر انداز کیا اور نہایت بے تابی کے ساتھ واپسی کا راستہ اختیار کیا۔ اس نے افغانستان میں نظام کے استحکام اور سیاسی حل پیش کرنے کے بجائے 9 برس کی جارحیت پر پانی پھیر دیا اور اپنے حواریوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر چلا گیا۔ روسی حکام افغانستان میں ہر سال کم از کم پانچ ارب ڈالر خرچ کرتے تھے۔ جب کہ صورت حال یہ تھی کہ روس معاشی طور اتنا بڑا مالی نقصان برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ روسی صدر گورباچوف نے مزید تباہی سے بچنے اور مغرب کے شکنجے میں پھنسنے کے بجائے فوری انخلا کو ترجیح دی اور 9 ماہ کے واپسی کا عمل محض تین ماہ میں مکمل کر لیا۔

روس نے واپسی کے بعد تین سال تک کابل انتظامیہ کے ساتھ مالی اور سیاسی تعاون جاری رکھا۔ جب بورس یلسن نے روسی سیاست میں قدم رکھا تو اس نے ستمبر 1991 میں اعلان کیا کہ وہ کابل انتظامیہ کا بوجھ مزید نہیں اٹھا سکتے چناں چہ ڈاکٹر نجیب اللہ کی کمیونسٹ حکومت روس کے عدم تعاون کے نتیجے میں دم توڑ گئی۔ اب امریکا افغانستان میں سوویت یونین جیسی صورت حال سے دوچار ہے۔ وہ بھی اسی طرح منطقی انجام تک پہنچ رہا ہے۔ زلمے خلیل زاد نے جس سرعت کے ساتھ سیاسی عمل شروع کیا ہے، وہ سمجھتے ہیں افغانستان امریکا کے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ سیاسی مفاہمت کے بغیر امریکا کے پاس اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

امریکا کے 17 سال میں پچاس ہزار فوجی ہلاک، پاگل، زخمی اور ڈیڑھ ٹریلین ڈالر خرچ ہوئے ہیں۔ جب کہ تمام جدید جنگی آلات اور ہتھیاروں کے استعمال کے باوجود امریکا ناکام رہا۔ امریکی فوج نے طالبان کی مزاحمت کچلنے کے لیے ہر قسم کا ظلم اور تشدد کیا۔ نتیجۃً عوامی مزاحمت کمزور نہیں ہوئی، بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ اُسے مزید قوت ملتی رہی۔ اب 70 فیصد رقبے پر طالبان حاکم ہیں۔ وہ دشمن کے خلاف نہایت جوان مردی اور دلیری سے فاتحانہ انداز میں نبرد آزما

ہیں۔ اب امریکا مجبور ہے کہ طالبان کے ساتھ براہ راست مذاکرات شروع کیے جائیں۔ سیاسی عمل اور مفاہمت کے ذریعے افغان جنگ سے چھٹکارا حاصل ہو۔ یہ کوئی معمولی اور حادثاتی بات نہیں ہے۔ امریکی حکام بہت مغرور اور دنیا پر بالادستی قائم کرنے کے خواہش مند تھے۔ اگر افغانستان میں ہلاکتوں، مالی نقصان اور سیاسی ساکھ متاثر ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی اپنے 'کمزور دشمن' سے مذاکرات کی بھیک نہ مانگتا۔ اب وہ یہ بات سمجھ گیا ہے کہ جنگ کسی مسئلے کا حل نہیں۔ کابل انتظامیہ میں بھی یہ صلاحیت اور اہلیت نہیں ہے کہ وہ طالبان کی عوامی مقبولیت ختم کر سکے۔ طالبان کو اب عالمی سطح پر پذیرائی مل رہی ہے، جو امریکا کے لیے بہت بڑا دھچکہ ہے۔

ان وجوہات کی بنیاد پر امریکی حکام افغان جنگ سے چھٹکارا چاہتے ہیں۔ وہ سوویت یونین کی طرح انخلا کے بجائے طالبان کے ساتھ مذاکرات کی کامیابی کے بعد واپسی کا اعلان کرے گا۔ طالبان سے یہ ضمانت حاصل کرے گا کہ امریکی فوج کی واپسی کے بعد افغانستان سے ان کے لیے خطرات لاحق نہیں ہوں گے۔ جب روس نے افغانستان سے واپسی کا فیصلہ کیا تو جنیوا معاہدے میں جنگ کے اصل فریق مجاہدین کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا۔ روسی چاہتے تھے کہ مجاہدین کمیونسٹ حکومت کے ساتھ براہ راست مذاکرات کریں، مگر جہادی تنظیموں کے رہنماؤں نے مؤقف اختیار کیا کہ کمیونسٹ حکومت کٹھ پتلی ہے۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہم روس کے ساتھ براہ راست مذاکرات کریں گے۔ اس دوران عالمی برادری نے جہادی تنظیموں کے رہنماؤں کے مؤقف کو اہمیت نہ دی اور جہادی رہنماؤں کے بجائے پاکستان کو اصل فریق کے طور پر مذاکرات میں شامل کر لیا۔ جنیوا کنونشن میں اقوام متحدہ کی قیادت میں کابل انتظامیہ اور پاکستان نے معاہدے پر دستخط کیے، جب کہ امریکا اور روس کے نمائندوں نے مبصر کی حیثیت سے ان مذاکرات میں شرکت کی۔

موجودہ جنگ کے دوران بھی امریکی حکام نے بھرپور کوشش کی اور طالبان قیادت پر ہر قسم کا دباؤ ڈالا کہ وہ کابل انتظامیہ کے ساتھ مذاکرات کرے۔ طالبان قیادت نے سابق سوویت یونین کے وقت کے تجربے اور جنیوا کنونشن معاہدے سے سبق حاصل کرتے ہوئے کابل انتظامیہ کے ساتھ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ملا اختر محمد منصور شہید کی شہادت اور ملا برادر اخند کی گرفتاری اس کی مثالیں ہیں۔ طالبان اپنے مؤقف پر اتنے سختی سے ڈٹ گئے کہ امریکا کو جھکنا پڑا اور وہ مؤقف سے دست بردار ہوا۔ زلمی خلیل زاد افغانستان کے معاملات سے آگاہ ہیں۔ امریکی جارحیت کے بعد کابل انتظامیہ کی تخلیق میں ان کا اہم کردار رہا ہے۔ وہ امریکا کی مجبوری بھی جانتے ہیں۔ مبصرین کے مطابق ٹرمپ نے خلیل زاد کو مکمل اختیار دیا ہے کہ وہ چھ ماہ کے اندر افغان تنازع مفاہمت کے ذریعے حل کریں۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ عالمی سطح پر امریکی ساکھ بھی متاثر نہ ہو اور افغانستان سے بھی مکمل لاتعلق نہ ہوں۔

زلمے خلیل زاد نے واضح طور پر کہا ہے کہ طالبان کے ساتھ امن مذاکرات امریکا کی پہلی ترجیح ہے۔ امریکی حکام اس بات پر رضامندی ہیں کہ افغانستان سے واپسی کا فیصلہ کیا جائے۔ امریکی ذرائع کے مطابق 2020 میں امریکی صدارتی انتخابات سے قبل ٹرمپ چاہتے ہیں کہ افغان تنازع پرامن طریقے سے حل ہو جائے۔ اس جنگ کا اقتصادی بوجھ ختم ہو جائے۔ اگر ٹرمپ نے اپنے دور میں یہ کامیابی حاصل کر لی تو وہ اگلے مرحلے کے لیے پھر امیدوار ہوں گے۔ انتخابات میں افغان جنگ کے خاتمہ کا کارڈ پیش کر کے کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

یمن میں جنگ بندی کا امکان

حسن زوی

یمن پر قابض حوثیوں نے یک طرفہ جنگ بندی کا اعلان کیا۔ان کا کہنا ہے آج کے بعد وہ سعودیہ اور متحدہ عرب امارات پر میزائل حملے نہیں کریں گے اور نہ ہی حکومتی فورسز پر حملے کریں گے۔ یہ اعلان اقوام متحدہ کے نمائندہ خصوصی مارٹن گریفٹ کے مطالبے کے بعد کیا گیا ہے۔حوثیوں نے اس اعلان کے بعد یمن میں شروع ہونے والی جنگ بندی کی امیدیں بڑھ گئی ہیں۔بہت سے مبصرین کا خیال ہے ستمبر 2014 سے یمن میں شروع ہونے والی حکومت مخالف حوثی ملیشیا کی بغاوت کے اسباب کو دیکھا جائے تو فوراہی اس جنگ کے خاتمے کی بات قبل از وقت معلوم ہوتی ہے۔مگر حوثیوں کے آپسی اختلافات اور ان کے خلاف سعودیہ کی حالیہ عسکری پیش رفت دیکھتے ہوئے یہ اندازے لگائے جا رہے ہیں کہ شاید یہ جنگ اب مزید طویل نہ ہو۔

حوثی اب پہلے کی طرح منظم نہیں رہے۔وہ باہم شدید اختلافات کا شکار ہیں۔ ایک گروپ کی سربراہی عبدالمالک حوثی کر رہے ہیں۔دوسرا گروپ حوثیوں کے روحانی پیشوا محمد عبدالعظیم کا ہے۔ تیسرا گروہ حوثیوں کے عسکری سربراہ مہدی المشاط کا ہے۔مہدی المشاط عبدالمالک حوثی کے شدید مخالف ہیں۔انہیں عبدالمالک حوثی کے لیے بڑا چیلنج سمجھا جاتا ہے۔ ایران پر امریکی پابندیوں کے بعد ایران نے ان کی امداد بند کر دی ہے۔ جس کی وجہ سے حوثیوں کے بدن سے روح نکل چکی ہے۔ داخلی اختلافات اور ایران کی جانب سے تعاون بند ہونے کی وجہ سے حوثی مقابلے کی سکت کھو رہے ہیں۔ گزشتہ چند ماہ سے حکومت نے اپنے اتحادیوں کی بدولت ان کے خلاف بہت سی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ حوثیوں کے انتشار اور کمزوری کی سب سے بڑی دلیل ان کے وزراء اور اعلی حکام کا انحراف اور ریاض کی جانب فرار ہے۔ حوثیوں کے انہی اختلافات کے نتیجے میں ان کے وزیر اطلاعات عبدالسلام جابر نے حوثیوں کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔وہ 10 نومبر کو ریاض پہنچ گئے تھے۔انہوں نے ریاض میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حوثی ملیشیا باہم شدید اختلافات کا شکار ہے۔اس کا زور بہت تیزی سے ٹوٹ رہا ہے۔حوثیوں کے اکثر اعلی حکام جنگ سے تنگ آ چکے ہیں۔ وہ مستقبل قریب میں اپنی صفوں سے علیحدگی اختیار کرنے والے ہیں۔عبدالسلام جابر نے مزید کہا کہ ایران حوثیوں کو اسلحہ اور دیگر وسائل فراہم کر رہا ہے۔دنیا کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ یمن عرب دنیا کا نہ ٹوٹنے والا حصہ ہے۔امریکا، ایران اور دیگر طاقتوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کبھی بھی یمن کو عرب دنیا سے الگ کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے۔

وزیر سیاحت باقر قوز بھی ریاض پہنچ گئے۔اس سے قبل حوثیوں کے میزائل شعبہ کے سربراہ ابو محمد بھی منحرف ہو کر سعودیہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اسی طرح حوثیوں کے نائب وزیر تعلیم و تربیت عبداللہ الحامدی بھی حوثیوں کی صف سے الگ ہو گئے۔حامدی نے کہا ہے حوثی جنگی رہنما زور زبردستی سے طلبا کو جنگ کے میدان میں لے جاتے ہیں۔یہی ان کے اختلاف کی وجہ اور علیحدگی کا باعث ہے۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے جیسے دیگر رہنما بھی چاہتے ہیں کہ حوثیوں سے اپنی راہیں الگ کر لیں۔انہی اختلافات کے نتیجے میں دسمبر 2017 میں حوثیوں نے یمن کے سابق صدر علی عبداللہ صالح کو دھوکہ دیا اور انتہائی بے رحمی سے مار ڈالا۔حالانکہ وہ حوثیوں کی بنائی گئی انتظامیہ کے رکن تھے۔اُن کی 'صالح' نامی ملیشیا حوثیوں کے شانہ بشانہ حکومتی اتحادیوں کے خلاف لڑ رہی تھی۔یمن حکومت کے خلاف حوثی باغیوں کی بغاوت کے بعد سعودی اتحادی فوج اور یمنی فوج کے خلاف حوثیوں کے مضبوط مقابلے کو دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حوثی پورے یمن پر قبضہ اور اپنا اثر ورسوخ نافذ کرنے کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ان کی بدقسمتی ہے کہ ان کی یہ امیدیں پورے ہونے کے امکانات کم ہو رہے ہیں۔

حوثی باغی بہت اہم علاقوں پر قبضہ کر چکے تھے۔'الحدیدہ' شہر انہی کچھ اہم علاقوں میں سے تھا۔اس شہر کے کنارے یمن کی مشہور بندرگاہ بحر احمر سے ملتے ہیں۔ 2014 سے یہ بندرگاہ حوثیوں کے قبضے میں تھی۔اسی بندرگاہ کے راستے انہیں ایران سے اسلحہ اور دیگر وسائل ملتے تھے۔کچھ دنوں سے سعودی عرب اور یمن کی سرکاری فورسز نے اس شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔اس سے حوثیوں کے لیے رسد فراہمی

کی راہ تقریباً بند ہوگئی ہے۔ باوجودیہ کہ سعودیہ اور اس کے اتحادیوں نے حوثیوں کے اعلانِ جنگ بندی کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے، مگر اس میں شک نہیں کہ سعودیہ جنگ سے تنگ آچکا ہے اور بہر صورت اسے روکنا چاہتا ہے۔

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ حوثی شکست کھا چکے ہیں۔ البتہ اس بات سے بھی انکار نہیں کہ اگر آئندہ کئی سالوں تک اُن کے خاتمے کے لیے مزید طاقت کا استعمال کیا جائے، تب بھی ان کا خاتمہ یا انہیں اتنا کمزور کرنا ناممکن ہے، جس سے آئندہ یمن حوثیوں سے بالکل پاک ہو جائے۔ حوثی یمن کے رہنے والے ہیں۔ جب تک حوثیوں اور یمن حکومت کے درمیان مفید اور نتیجہ خیز مذاکرات نہیں ہوتے، تب تک سعودیہ اور یمن حکومت کو حوثیوں سے خطرات لاحق رہیں گے۔ کیوں کہ شیعہ 'آل سعود' کی بہت بڑی کمزوری بن چکے ہیں۔ یہ بات نظرانداز نہیں کی جاسکتی کہ یمن جنگ سعودیہ کی توقعات کے برعکس بہت طویل ہوگئی ہے۔ اس کے مصارف نے سعودی معیشت کو بہت بڑا دھچکا پہنچایا ہے۔ اسے مزید جاری رکھنا سعودیہ کے بس سے باہر ہے۔ یہ بات اہم ہے کہ خاشقجی قتل کے بعد مغرب کی جانب سے سعودیہ کی حمایت میں تیزی سے کمی آ رہی ہے۔ کئی ممالک نے سعودیہ کو اسلحہ اور دیگر اہم وسائل فروخت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ سعودیہ کے لیے انتہائی تشویشناک امر ہے۔ سعودیہ یہ جنگ امریکا اور دیگر مغربی قوتوں سے خریدے گئے اسلحے سے لڑ رہا ہے۔ یہ بات بھی نظرانداز نہیں کی جا سکتی کہ سعودی فضائی بمباری میں عام لوگوں کی ہلاکتوں کے باعث سعودیہ انتہائی بدنام ہو چکا ہے۔ اسے انسانی حقوق کے عالمی اداروں کی جانب سے شدید تنقید کا سامنا ہے۔

ان تمام امور کو دیکھتے ہوئے یہ بات فطری ہے کہ سعودیہ اس جنگ کا جلد سے جلد خاتمہ چاہتا ہے۔ پاکستان کے وزیر اعظم عمران خان نے اب تک دو مرتبہ سعودیہ کے دورے کیے ہیں۔ دونوں دوروں میں سعودی ولی عہد محمد بن سلمان کے ساتھ جنگ کے خاتمے کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے وہ یمن جنگ کے خاتمے کے لیے ثالثی کو تیار ہیں۔ محمد بن سلمان کے ساتھ جنگ کے خاتمے کے لیے گفتگو اور اس بارے ثالثی کی خواہش کے اظہار کے بعد یمن حکومت نے جنگ کے خاتمے کے لیے پاکستان سے کردار ادا کرنے کی درخواست کی ہے۔ پاکستان میں موجود یمن کے سفیر نے پاکستانی صدر اور وزیر اعظم دونوں سے ملاقات کی ہے۔ وزیر اعظم عمران خان نے منصور عبدالہادی حکومت کی حمایت اور جنگ کے خاتمے کے لیے ثالثی کا اطمینان دلایا ہے۔

سعودیہ اور یمن کی حکومتوں کی طرح جنگ کے دوسرے فریق حوثی اور ایران نے بھی جنگ روکنے کا مطالبہ کیا ہے۔ ایرانی معیشت حالیہ امریکی پابندیوں کے باعث شدید خراب ہے۔ اس کی کرنسی انتہائی گر چکی ہے۔ اشیاء کی قیمتیں آسمان پر پتنگیں اُڑا رہی ہیں۔ اس لیے اس کے لیے حوثیوں سے تعاون اور جنگ جاری رکھنا آسان نہیں رہا۔ ایران حوثیوں سے تعاون اور یمن کی جنگ میں براہ راست ملوث ہونے کی وجہ سے تقریباً تمام عرب ممالک کی دشمنی مول لے چکا ہے۔ بقیہ مسلم دنیا میں بھی اس لیے ناراض ہے کہ ایران کے ان اقدامات سے شیعہ سنی اختلافات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

ایران بہت حد تک غیر جانب دار ہو چکا ہے۔ وہ اس قضیے سے نکلنے کے لیے عرب ممالک کے ساتھ اپنے روابط بہتر بنانے کی کوشش میں ہے۔ عمران خان کے دورہ سعودیہ سے قبل، اس کے بعد ایرانی وزیر خارجہ اور پاکستان میں متعین ایرانی سفیر نے عمران خان سے ملاقات کی ہے۔ اس وقت سعودیہ اور ایران دونوں ایک دوسرے کے حریف ہیں۔ ایران سعودیہ کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع ہونے نہیں دیتا۔ مگر موجودہ حالات میں یمن جنگ روکنا ایران کی مجبوری یا کم از کم ضرورت ہے۔ ایران کے ساتھ بظاہر حوثی بھی جنگ روکنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اس کے لیے یک طرفہ جنگ بندی کا اعلان کیا ہے۔ البتہ وعدہ خلافی اور بدعہدی حوثیوں کی فطرت ہے۔ انہوں نے دسمبر 2017 میں یمن کے سابق صدر علی عبداللہ صالح کو بھی دھوکہ دیا اور انتہائی بے رحمی سے مار ڈالا۔ حالانکہ وہ حوثیوں کے ہاتھوں بنی انتظامیہ کا حصہ تھے۔

موجودہ اعلان کے بعد بھی حوثیوں کی جانب سے خیانت کی نشانیاں سامنے آئی ہیں۔ یمن کے وزیر اطلاعات معمر الاریانی نے کہا ہے الحدیدہ میں حوثیوں نے فائر بندی پر عمل نہیں کیا۔ اب بھی حکومتی قبضے میں موجود علاقوں پر واپس قبضے کے لیے حملے کر رہے ہیں۔ ایک بلیسٹک میزائل بھی سعودیہ پر داغا گیا۔ یمن حکومت نے اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ حوثیوں پر زور دے، تاکہ وہ یمن بارے سویڈن میں متوقع اجلاس میں غیر مشروط شرکت کریں۔ حوثیوں نے اس اجلاس میں شریک ہونے کا وعدہ کیا تھا، مگر اب حوثی ملیشیا نے شرکت سے انکار کر دیا ہے۔ اس لیے حوثیوں کا یہ اعلان در حقیقت خود کو منظم کرنے کی ایک ناکام کوشش ہے۔ اس لیے اتحادیوں نے بھی توجہ نہیں دی ہے۔

مگر مسئلہ حوثیوں اور منصور عبدالہادی کا نہیں، بلکہ سعودیہ اور ایران کا ہے۔ اگر ترکی اور پاکستان جیسے اہم ممالک نے ثالثی کی، ایران اور سعودیہ نے جنگ بندی پر رضامندی ظاہر کی ہے تو یہ جنگ آسانی سے بند ہو سکتی ہے۔ دونوں ممالک سمیت پورا خطہ جنگ سے مربوط مسائل اور پریشانیوں سے محفوظ ہو سکتا ہے۔

جمہوریت کی جنسی بے راہ روی!

ارمان خان

اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہوریت نے ہمارے معاشرے پر وہ روایتیں مسلط کیں، جو ایک باحیا اور مہذب معاشرے میں عار سمجھی جاتی ہیں۔ حیا، شرم، عفت اور پاک دامنی جیسی اصطلاحات بے معنی ہو کر رہ گئی ہیں۔ بے پردگی ہوئی۔ افغانستان صدیوں سے اپنی عزت و آبرو، حیا و عفت اور ناموس کی جنگ لڑتا آیا ہے۔ یہ نہایت افسوس ناک بات ہے کہ یہاں بے حیائی اور فحاشی کو اتنا رواج دیا گیا کہ اب لوگ اپنی بیٹیوں، بہنوں اور بیویوں کو غیروں کے سامنے آنے پر بالکل حیا محسوس نہیں کرتے۔ قارئین بی بی سی کی ایک رپورٹ پڑھ کر اندازہ لگائیں کہ افغانستان کس حد تک تبدیل کیا جا چکا ہے۔

بی بی سی کے مطابق: افغان فٹ بال فیڈریشن کی وومین ٹیم کی پانچ کھلاڑیوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے بعد فیڈریشن کے سربراہ سمیت پانچ دیگر رہنماؤں کو اپنے عہدوں سے برطرف کیا گیا۔ اعلی تحقیقاتی کمیشن کے ترجمان جمشید رسولی نے بی بی سی کے نمائندہ نصیر بہزاد کے ساتھ گفتگو کے دوران کہا کہ افغان فٹبال فیڈریشن کے سربراہ کرام الدین کریم، سیکرٹری جنرل، گول کیپر، کمیٹی کے سربراہ اور بین الصوبائی رابطہ کمیٹی کے سربراہ کو بھی معطل کیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ معطلی کے احکام ہر قسم کی تحقیقات کے بعد جاری کیے گئے ہیں۔ اس تناظر میں یہ پوچھا جانا چاہیے کہ فٹ بال ٹیم میں کھیلنے والی یہ نوجوان لڑکیاں ضرور کسی کی بیٹیاں اور بہنیں ہوں گی

ڈالر اور مادی مفاد نے لوگوں کے ضمیر اس حد تک بے حس کر دیے ہیں کہ انہیں یہ انکشاف بھی کوئی عیب اور عجیب محسوس نہیں ہو رہا۔ اس شرم ناک انکشاف کے منظر عام پر آنے کے بعد بھی لوگوں نے اپنے محکموں کو استعفاد یا اور نا ہی مغربی نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ لگتا یہ ہے کہ افغان عوام اس طرزِ عمل کے عادی کیے جا رہے ہیں۔ اگر ان میں شرم و حیا کی کوئی رمق باقی ہوتی تو وہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو نامحرم لوگوں کے ساتھ بیرون ممالک کے سفر پر نہ بھیجتے۔ درحقیقت افغانستان میں وومین فٹبال ٹیم بنانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ افغانستان میں فحاشی و عریانی کو فروغ دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے ملک بھر سے نوجوان لڑکیوں کو ٹیم میں شامل کر کے انہیں تنگ کپڑے اور یونی فارم پہنائے گئے ہیں۔

ایسی خوب رو اور نوجوان لڑکیوں کی ٹیمیں اور کلبز بنا کر انہیں وقفے وقفے سی قومی ٹیم میں شامل کیا جاتا ہے۔ اس مقصد یہی ہے کہ افغانستان میں مغرب کی طرح جنسی بے راہ روی عام کی جائے۔ جو لڑکیاں زیادہ خوبصورت ہوں، وہ آسانی کے ساتھ ٹیم کا حصہ بن سکتی ہیں۔ ٹیم سلیکٹرز سے لے کر وزرا تک سب اس کالے دھندے میں ملوث ہیں۔ جمہوریت کا ایک اَور منفی رخ یہ ہے کہ ملک کے مختلف شہروں، اعلی تعلیمی اداروں اور بیرونی این جی اوز میں بدعنوانیوں کے ساتھ اخلاقی بیماریاں بھی جنم لے رہی ہیں۔ اس عمل میں ارکان پارلیمنٹ، وزراء، یونی ورسٹیوں کے اساتذہ و پروفیسرز اور دیگر اداروں کے اعلی و ادنی حکام سب ملوث ہیں۔ جس نظام میں حکام اور ملازمین اللہ تعالی سے بے خوف ہوں۔ اسلام کے عادلانہ نظام پر ان کا اعتماد نہ ہو تو ایسے نظام میں اس نوع کی بداخلاقیاں ہی جنم لیتی ہیں۔ جب تک یہ کفریہ نظام مسلط رہے گا، تب تک ایسی بد اخلاقیوں کا تدارک ممکن ہی نہیں۔ جس معاشرے میں شراب پانی کی طرح فروخت کی جاتی ہو، وہاں جنسی زیادتیاں کوئی انہونا معاملہ نہیں ہے۔

جب سے امریکا آیا ہے، تب سے رات کے وقت فوجی مراکز کے لیے لڑکیوں سے بھری گاڑیاں لے جائی جاتی ہیں۔ آج حالت یہ ہے کہ بیرون ممالک سے نوجوان لڑکیاں کابل کے فائیو اسٹارز ہوٹل میں لائی جاتی ہیں۔ یہ حالت دیکھتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ ہماری قوم کس حد تک اخلاقی گراوٹ کا شکار ہے۔ شان دار ماضی والی اس قوم کے آنے والے دن نہایت بھیانک ہیں۔ اب بہت ہو چکا۔ افغان ملت کو اس خواب غفلت سے بیدار ہونے کا وقت ہے۔ کابل ادارے کے حکام نہ صرف بدعنوانیوں میں ملوث ہیں، بلکہ بداخلاقیوں میں بھی لت پت ہیں۔ جس شخص میں ذرا بھر غیرت ہو، وہ یہ ہر گز برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی بیٹی اور بہن نامحرم کے ساتھ بیرون ملک جا کر وہاں جنسی ہوس کا نشانہ بنتی رہے۔ صرف پہلا واقعہ نہیں ہے، جسے میڈیا نے کوریج دی ہے۔ یہ سب جمہوریت کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ مغرب کی کوشش ہے کہ افغانوں کو ان کی ماضی سے کاٹ کر مغرب کی طرح فحاش بنا دیا جائے۔

طالبان کی سیاسی برتری

سعد کٹوازی

امارت اسلامیہ کے بانی اور سربراہ ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ اپنے وقت کے ولی کامل تھے۔ انہوں نے پیش گوئی کی اور بہت سادہ لہجے میں کہا تھا کہ 'افغانستان کو طاقت کے بل بوتے نہیں نہیں جیتا جاسکتا۔ ہم مذاکرات کے لیے ہم تیار ہیں۔ امریکا کو چاہیے معاملہ بات چیت سے حل کرے۔ ورنہ وہ وقت بھی آئے گا کہ ہمارے بجائے تم مذاکرات کے لیے منت سماجت کروگے۔' دنیانے دیکھا کہ ان کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ امریکانے 17 برس تک اپنازور استعمال کیا۔ ناکامی اور مایوسی کے بعد طالبان سے مذاکرات قطر کے سیاسی دفتر کے دروازے پر دستک دی۔

گوانتاناموجیل کے سابق پانچ قیدی رہنماؤں بارے کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ طالبان کی صفوں میں انہیں سابقہ دور جیسا مقام نہیں ملے گا۔ حال ہی میں انہیں قطر کے سیاسی دفتر کے ارکان مقرر کرنے سے مخالفین کے تمام اندازے غلط ثابت ہوئے۔ اس اقدام سے یہ ثابت ہوا کہ بدنام زمانہ امریکی جیل میں انسانیت سوز مظالم سہنے والے رہنماؤں نے نفاذ اسلام اور آزادی کے لیے ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنے کا عزم مصمم کیا ہے۔ وہ اب سیاسی جدوجہد کا بوجھ اٹھانے کے لیے بھی کمربستہ ہیں۔ ایک ہفتہ پہلے ملاعبدالغنی برادر اخند کی رہائی بھی اہم کامیابی ہے۔ اگرچہ پاکستانی میڈیانے حکام کے حوالے سے لکھاہے کہ ملابرادر کو زلمے خلیل زاد کے حکم اور قطری وزیر خارجہ محمد بن عبدالرحمن آل ثانی کے مطالبے پر رہا کیا گیاہے، تاہم طالبان نے اپنے رسمی اعلامیہ میں کسی قسم کے معاہدے اور سمجھوتے کو مسترد کرتے ہوئے واضح کیاکہ ان کی رہائی کسی ڈیل کا نتیجہ نہیں ہے۔

حال ہی میں ملابرادر کی رہائی، قطر کا دورہ اور امن مذاکرات کے حوالے سے ان کے کردار پر میڈیا میں مختلف تجزیے اور تبصرے ہوئے۔ امارت اسلامیہ نے رسمی اعلامیہ میں کہاکہ امریکی حکام نے گزشتہ 8 برس کے دوران ملابرادر اخند سے متعدد بار مطالبہ کیاکہ وہ طالبان کو مذاکرات پر مجبور کریں۔ بدلے میں انہیں رہا کیا جائے گا۔ تاہم ملا برادر اخوند نے ہر بار انہیں صاف جواب دیا اور ملک پر ناجائز امریکی قبضے کے خلاف جیل میں ہر قسم کی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کو ترجیح دی۔ انہوں نے ثابت کیا کہ وہ اپنے اصولی مؤقف سے پیچھے ہٹیں گے اور نہ ہی امارت اسلامیہ کی اعلی اقدار پر کوئی سمجھوتہ کریں گے۔ اسی مؤقف پر ڈٹ جانے کے بعد امریکانے مجبور ہو کر انہیں رہا کیا۔ ملا برادر کی رہائی بلا طالبان کے لیے بڑی کامیابی ہے۔ انہوں نے 17 برس امریکی جارحیت کے خلاف طالبان کی مزاحمت کے سب سے بڑے اور اہم رہنما کے طور پر کلیدی کردار ادا کیا۔ اس حوالے سے ان کی رہائی ایک طرف طالبان کی سیاسی کامیابی ہے تو دوسری جانب امن مذاکرات کے حوالے سے اعتماد سازی کے لحاظ سے بھی بڑی پیش رفت ہے۔ اس کے علاوہ سابق قیدی رہنماؤں کی رہائی بھی سفارت کاری کے حوالے سے نیک شگون ہے۔ ایک وقت میں دونوں اقدامات طالبان کے لیے کسی بھی حوالے سے بڑی خوش خبری اور اہم کامیابی ہیں۔

پہلے امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر میں ایسے سفارت کار موجود نہیں تھے، جو امریکی جارحیت پسندوں کی عادات، مزاج اور طریقہ واردات سے براہ راست آگاہ ہوں۔ پس پردہ اور پیچیدہ معاملات کو آسانی سے سمجھنے کے حوالے سے ان کا تجربہ معتبر تھا۔ اسی بنا پر سیاسی معاملات بھی سفارت کاری کے لحاظ سے حل کرنا ان کے لیے آسان ہے۔ وہ اس حوالے سے تجربہ رکھتے ہیں۔ لہذا سیاسی دفتر میں ان کا تقرر نیک شگون اور اہم پیش رفت ہے۔ ہمسایہ ممالک یا دیگر حلقوں کی جانب سے امن مذاکرات کے نازک مرحلے میں امارت اسلامیہ کی قیادت کے درمیان اعتماد سازی کو ٹھیس پہنچانے اور سیاسی پالیسی کو متزلزل کرنے کے خدشات دور کرنے کے لیے ملا برادر اخند اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو سیاسی پالیسی پر قدغن لگانے اور پرامن کوششوں کو متاثر کرنے کے خلاف سنجیدہ اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے، جس پر فوری توجہ دینی چاہیے۔

ماسکو میں افغان تنازع کے پرامن حل کے حوالے سے کانفرنس میں 12 ممالک کی شرکت اور طالبان رہنماؤں کا مؤقف دنیا کے سامنے پیش کرنا طالبان کی سیاسی پیش رفت ہے۔ اس سے پہلے طالبان کو ملکی اور عالمی سطح پر ایسے اہم فورم پر اپنا مؤقف پیش کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ طالبان نے کامیاب سفارت کاری کے ذریعے اس کانفرنس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ افغان عوام کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ طالبان رہنماؤں نے دو دہائیوں سے جاری جنگ کے خاتمے کے لیے سیاسی جدوجہد کے ذریعے یہ مسئلہ حل کرنے پر زور دیا اور یہ بھی واضح کیا کہ وہ مذاکرات کے ذریعے افغان تنازع کا حل چاہتے ہیں۔ تاہم امریکا مذاکرات کے بجائے جنگ کو ترجیح دے رہا ہے۔ جس کے باعث 17 برس سے افغانستان میں جنگ جاری ہے۔ یہ افغانستان کے امن واستحکام کے لیے بڑا نقصان ہے۔

اس کانفرنس میں طالبان نے اپنا مؤقف مدلل انداز میں سادگی، جرات اور معقول طریقے سے پیش کیا۔ بین الاقوامی اداروں کے علاوہ افغان عوام کو سمجھانے کی کوشش کی۔ بین الاقوامی دنیا کے خدشات دور کرنے کی کوشش کی۔ کانفرنس کے بعد بھی غیر رسمی گفتگو میں مختلف رہنماؤں کے سوالوں کے بہترین اور مدلل جواب دے کر انہیں اعتماد میں لیا۔ میڈیا کے ساتھ گفتگو میں واضح طور پر کہا کہ موجودہ جنگ کی بنیادی وجہ امریکی جارحیت ہے۔ اس لیے وہ پہلے امریکا کے ساتھ براہ راست مذاکرات کریں گے۔ وہی اس جنگ کا اصل فریق ہے۔ امریکی حکام کو چاہیے وہ بھی جرات کے ساتھ مذاکرات شروع کریں۔ اگر امریکا نے انخلا پر رضامندی ظاہر نہ کی تو اس کو زبردستی ملک سے بے دخل کیا جائے گا۔ ماضی کے برعکس اس کانفرنس میں افغان جنگ کے اصل فریقین طالبان، غیر ملکی اور کابل انتظامیہ نے بادل نخواستہ اور متاثرہ ہمسایہ اور وسطی ایشیائی ممالک نے بھی شرکت کی۔ طالبان نے پہلی بار کسی بین الاقوامی کانفرنس میں حصہ لیا۔ طویل مدت کے بعد بین الاقوامی حیثیت رکھنے والی کانفرنس میں ایک مضبوط فریق کے طور پر اپنے عوام کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ افغانستان کے معاملات میں امریکا کی اجارہ داری کو چیلنج کرنے اور اس کی بالادستی توڑنے کے بعد طالبان کو عالمی سطح پر ایک مضبوط قوت کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے میڈیا نے بھی بھرپور کوریج دی۔ دنیا کو پل پل کی تازہ ترین خبروں سے آگاہ کیا جاتا رہا۔ کانفرنس کے شرکا نے طالبان کے مؤقف کی اخلاقی حمایت کی۔

اگرچہ اس کانفرنس سے ابتدائی طور پر زیادہ توقعات وابستہ نہیں تھیں۔ البتہ اس کی اہمیت اور ضرورت کے لحاظ سے امن پسند ممالک اور اہم شخصیات نے مسرت کا اظہار کیا۔ جب کہ اس کانفرنس میں جارحیت پسندوں کی ہنگامی شرکت اور کابل انتظامیہ کی معمولی شرکت پر مختلف حوالوں سے مایوسی کا اظہار اور تنقید کی گئی۔ اگرچہ سیاسی جماعتوں اور پارلیمنٹ ارکان نے بھی کابل انتظامیہ کو ملامت کیا۔ تاہم کابل انتظامیہ کے اہم رہنما محقق نے کہا کہ امن کونسل کے ارکان اشرف غنی کے خفیہ نمائندے تھے۔ انہیں ماسکو نے دعوت دی تھی۔ تجزیہ کاروں کے مطابق اشرف غنی نے جارحیت پسندوں کے خوف سے غیر رسمی اور نچلی سطح کے وفد کو ماسکو کانفرنس میں شرکت کے لیے بھیجا۔ تاہم امن کونسل کے ارکان بھی حکومت کا حصہ ہیں۔ طالبان نے واشنگٹن اور ماسکو کے درمیان کشیدہ تعلقات اور بین الاقوامی سطح پر روس کے اثرورسوخ سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اپنے نظام اور مستقبل بارے عالمی فورم پر اپنا مؤقف پیش کیا۔ جارحیت پسندوں کے منفی پروپیگنڈے کے جواب میں مختلف ممالک کے خدشات دور کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح طالبان نے اس کانفرنس کے توسط سے حملہ آوروں کی جنگی پالیسی، مذہبی اور سیاسی دباؤ اور انٹیلی جنس کوششوں کے نتیجے میں سماجی دباؤ کو مسترد اور غیر مؤثر ثابت کیا۔

اگر ماسکو کانفرنس میں طالبان اور 12 ممالک کے حکومتی نمائندوں کے ساتھ ساتھ افغانستان کے آزاد اور خود مختار سیاست دانوں، بااثر اور باصلاحیت افراد کو بھی مدعو کیا جاتا تو اس کانفرنس کی اہمیت مزید بڑھ جاتی تھی۔ اگرچہ کابل انتظامیہ نے بظاہر پسپائی اختیار کی، تاہم روس نے کھل کر افغان معاملات میں دخل اندازی شروع کرتے ہوئے افغان جنگ کے اہم فریقوں اور علاقائی ممالک کو مدعو کیا۔ سب کو ایک کانفرنس میں جمع کیا۔ جب کہ امریکا نے بھی اپنے نمائندوں ایلس ویلز اور زلمے خلیل زاد کو مذاکرات کا ٹاسک دیا۔ انہوں نے قطر میں طالبان رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔ جن سے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ مجموعی طور پر طالبان کے سابق پانچ رہنماؤں کو سیاسی سفارت کاروں کے طور پر قطر دفتر میں مقرر کرنا، ملا برادر اخوند کی رہائی اور ماسکو کانفرنس میں طالبان رہنماؤں کی شرکت، امریکا کا اعترافِ شکست بین الاقوامی سطح پر طالبان کی نئی پیش رفت ہے۔

خلیل زاد کا تیسرا دورہ

احمد مختار

طالبان اور امریکی حکام کے درمیان مذاکرات کے آغاز کے بعد امریکی خصوصی نمائندے زلمے خلیل زاد نے افغانستان اور خطے کا دورہ کیا، جو ان کا تیسرا دورہ ہے۔ اگرچہ افغانستان کی 40 سالہ جنگ اور تنازع حل کرنے کے لیے زیادہ کوشش اور وقت کی ضرورت ہے۔ کچھ لوگ خلیل زاد کے دورہ افغانستان سے بہت توقعات وابستہ کیے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں خلیل زاد ہی یہ تنازع پُرامن طور پر حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ افغانستان کو نجات دلا سکنے والے واحد نمائندے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خلیل زاد نے افغانستان اور خطے کا دورہ کیا ہے اور ساتھ ہی افغانستان میں مظلوم عوام کے خلاف قابض امریکی فوج کے تشدد میں بھی بہت اضافہ ہوا ہے۔

کنڑ، غزنی اور ہلمند میں بے گناہ شہریوں پر تشدد، ان کا قتل عام اور شہری املاک کی تباہ امریکی فوج کے تشدد کی زندہ مثال ہیں۔ اگرچہ خلیل زاد نے امارت اسلامیہ کے نمائندوں کے ساتھ بات چیت میں نہایت محتاط انداز اپنایا ہے۔ وہ خود کو افغانستان میں امن اور جنگ کے خاتمے کے لیے پر امید ثابت کر رہے ہیں۔ البتہ افغانستان بارے حقیقت یہ ہے کہ سی آئی اے اور پینٹا گون حکام عملی طور پر اپنے فوجی دستوں اور ڈرون طیاروں کے ذریعے دیہی علاقوں میں تباہی مچا رہے ہیں۔ خلیل زاد کے دورے کے ساتھ ہی امریکی وزیر دفاع جیمز میٹس نے کہا کہ ان کے فوجی مذاکرات کے ساتھ افغانستان میں تعینات رہیں گے۔

اسی طرح نیٹو کے سیکرٹری جنرل اسٹولٹین برگ نے دسمبر کے اوائل میں برسلز میں منعقد اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ افغانستان میں نیٹو فوج کی موجودگی کے اخراجات سے انخلا کے اخراجات زیادہ ہوں گے۔ ہم اس قیمت کو چکانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان دو سینئر اہل کاروں کی امن مخالف گفتگو کے بعد امریکی جوائنٹ چیفس کمیٹی کے چیئرمین جنرل ڈنفورڈ نے بھی کہا کہ افغانستان میں امن ان کی ترجیح نہیں، بلکہ امریکی مفادات کی حفاظت کے لیے امریکی فوجیوں کو برقرار رکھنا اہم ہے۔ لہذا خلیل زاد کی کوششوں کو امریکی اور مغربی حکام کے اظہار خیال سے دیکھا جائے کہ وہ کیا کرنا چاہتے اور ان کے مقاصد کیا ہیں؟

اس میں شک نہیں کہ افغانستان کے معاملے میں امریکا کا حقیقت پسندانہ نکتہ نظر وہی ہے جو امریکی کانگریس اور کانگریس کے ارکان کا فیصلہ اور مطالبہ ہوتا ہے۔ افغانستان بارے امریکی عسکری اور سفارتی حکام کے خیالات میں واضح فرق نظر آ رہا ہے۔ حقیقت میں یہ وائٹ ہاؤس کی حکمت عملی ہے، جو کافی غور کے بعد امریکی حکام نے طے کی ہے۔ یہ ایک ایسی حکمت عملی ہے، جو افغانستان کے تنازع کے حل کے لیے مفید اور مؤثر ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے خلیل زاد کی کوششوں کے ساتھ ہی افغانستان میں پُر تشدد واقعات اور چھاپوں میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے امریکی حکام امن کے جھوٹے نعروں کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کی پالیسی پر کاربند ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ جنگ جاری رہے۔ تاکہ وہ اپنے مفادات پورے کر سکیں۔

ملا عبدالمنان شہید

معین احمد معین

یکم دسمبر کو افغانستان کے جنوبی صوبے ہلمند میں جہادی مزاحمت کے سب سے بڑے معمار۔ باصلاحیت اور طاقت ور کمانڈر ملا عبدالمنان امریکی ڈرون حملے میں شہید ہوگئے۔ ملا عبدالمنان شہید نے جام شہادت نوش کرتے وقت تک اپنی پوری زندگی جہادی سرگرمیوں میں گزاری۔ وہ حملہ آوروں کے خلاف مختلف معرکوں میں بہترین منصوبہ بندی کرنے کی وجہ سے مقبولیت حاصل کر کے مشہور ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے امریکا، برطانیہ اور دیگر غیر ملکی انٹیلی جنس اداروں نے ان کا تعاقب شروع کر رکھا تھا۔ متعدد بار ان کے ٹھکانوں کو نشانہ بنایا گیا۔ وہ اپنے ماہرانہ منصوبوں کی وجہ سے ہر بار بچ نکلنے میں کامیاب رہے۔ مسلمان اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ موت کی تاریخ مقرر ہے۔ جب موت کا وقت آتا ہے تو پھر انسان کہیں پر بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔

ملا عبدالمنان شہید نے اسلام اور ملک کا دفاع کرتے ہوئے موت کو لبیک کہا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اسلام اور ملک کے بہت سے دشمنوں کو ہلاک کرنے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ افغانستان میں ہلاک ہونے والے غیر ملکی قابض فوجیوں کے اعداد و شمار کے مطابق سب سے زیادہ ہلاکتیں ہلمند میں ہوئیں۔ بالخصوص ملا عبدالمنان شہید کی کمانڈ سے دشمن کو سخت نقصان پہنچا۔ افغانستان پر امریکی قبضے کے آغاز سے اب تک ملک کی سطح پر سب سے زیادہ شورش زدہ صوبہ ہلمند قرار دیا جاتا ہے۔ امریکی اور برطانوی وزارت دفاع کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ہلمند میں ہزار سے زائد غیر ملکی فوجی ہلاک ہوئے ہیں۔ ان میں زیادہ تر برطانوی اور امریکی فوجی ہیں۔ اسی طرح سب سے زیادہ غیر ملکی قابض فوجی ہلمند میں تعینات تھے۔ وہ جدید ہتھیاروں سے لیس تھے۔ ملا عبدالمنان شہید نے ان ہزاروں فوجیوں کا مقابلہ پہلے دن سے ہلکے ہتھیاروں اور مجاہدین کے بنائے گئے دھماکہ خیز مواد سے کیا۔ دشمن کو شکست دے کر ہلمند کے 95 فیصد رقبے پر اپنا کنٹرول قائم کیا۔

اسی طرح ملا عبدالمنان شہید رحمہ اللہ نے ہلمند فتح کرنے کے بعد وہاں مختلف علاقوں میں مجاہدین کو عسکری تربیت دینے کے لیے تربیتی مراکز قائم کیے۔ مجاہدین کو جہادی منصوبوں کی تربیت دی۔ ہلمند کے عوام کے لیے عوامی افادیت کے حامل منصوبوں کے سلسلے میں سڑکوں، کلینکس، ہسپتالوں، اسکولوں کو بھی تعمیر اور فعال کرنے میں سبقت حاصل کی۔ ملا عبدالمنان شہید کی شہادت کے بعد ہر کسی کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ اب جہادی، فوجی سرگرمیوں اور ترقیاتی منصوبوں کو کون آگے بڑھائے گا؟ کیا ان کی شہادت کے ساتھ یہ تمام سرگرمیاں ماند پڑ جائیں گی یا وہ ماضی کی طرح جاری رہیں گی؟

طالبان کی سرگرمیوں اور جہادی کمانڈروں کی شہادت کے سابقہ ریکارڈ کو دیکھا جائے تو ملا عبدالمنان بھی طالبان کے دیگر کمانڈروں کی طرح ایک کمانڈر، تھے وہ اپنی فوجی، معاشرتی اور سماجی گرمیوں کی بدولت عوام کے دلوں پر راج کر رہے تھے۔ وہ شمالی صوبوں کے مشہور کمانڈر ملا عبدالسلام، جنوب کے کمانڈر شہید سیف الرحمن منصور، مشہور جہادی کمانڈروں ملا داداللہ شہید، مولوی عثمانی شہید کی طرح ایک ذمہ دار اور دلیر جہادی کمانڈر تھے۔ ان تمام مشہور جہادی کمانڈروں سے افغانستان اور خاص کر ان کے علاقوں میں جہادی مزاحمت پر منفی اثرات مرتب نہیں ہوئے۔ ملا عبدالمنان کی شہادت سے بھی مزاحمت پر منفی اثرات مرتب نہیں ہوں گے۔ ان کے تربیت یافتہ مجاہدین اپنے شہید کمانڈر کی طرح جہادی اور سماجی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔ ان شاء اللہ! اللہ تعالی ملا عبدالمنان شہید کی شہادت قبول فرمائے۔ انہیں جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے۔ آمین

امریکا واقعی امن چاہتا ہے!؟

احمد مختار

میڈیا رپورٹس کے مطابق افغانستان میں قیامِ امن کے لیے امریکی خصوصی ایلچی زلمے خلیل زاد نے ایک بار پھر افغان مسئلے کا قابلِ عمل حل تلاش کرنے کی غرض سے دورے کا آغاز کیا ہے۔ امریکی وزارتِ خارجہ کے جاری کردہ ایک اعلامیے کے مطابق زلمے خلیل زاد اس مرتبہ افغانستان، پاکستان، روس، ازبکستان، ترکمانستان، بیلجیم، متحدہ عرب امارات اور قطر کا دورہ کریں گے۔ افغان امن کے حوالے سے خلیل زاد کے سفر سے ایک دن قبل امریکا کے وزیر دفاع جیمز میٹس نے کہا کہ وہائٹ ہاؤس افغان جنگ کا خاتمہ چاہتا ہے۔ البتہ افغانستان سے اپنی فوج کے انخلا کا فی الحال کوئی ارادہ نہیں۔ امن بارے خلیل زاد کی کوششوں کے ساتھ امریکا کے فوجی عہدے داروں کے اس قسم کے بیانات افغان مسئلے بارے ان کی دوُرخی پالیسی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

سیاسی مبصرین کے مطابق اس قسم کے متضاد رویے حقیقت میں اس جانب اشارہ ہیں کہ امریکا کا امن کے نام سے جاری ڈرامہ محض ایک جنگی چال ہے۔ اس کے ساتھ ہی جیمز میٹس نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ افغان مسئلے کا حل فوجی کے بجائے سیاسی حل ممکن ہے۔ ہم روزِ اول سے یہی کہتے آئے ہیں کہ افغانستان میں غیر ملکی جارحیت پسندوں کی موجودگی سے یہ جنگ مزید طویل ہوگی۔ اگر امریکا واقعی افغانستان میں امن چاہتا ہے تو امن کے لیے کوششیں تیز کرتے ہوئے سب سے پہلے اپنی فوج کے انخلا پر غور کرے۔

امن کا خواب اس طرح شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا کہ ایک جانب خلیل زاد امن کے لیے آٹھ ممالک کے دوروں پر ہوں، جب کہ دوسری جانب امریکی وزارتِ دفاع نہتے شہریوں پر بمباریوں میں اضافے کے احکامات جاری کرنے کے ساتھ اپنے فوجیوں کا انخلا سے انکار کرتی نظر آئے۔ کنڑ، خوست، پکتیا، پکتیکا، لوگر، ننگرہار اور ہلمند سمیت مختلف علاقوں میں حال ہی میں امریکی بمباریوں میں بے پناہ اضافہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امریکا افغان جنگ کے خاتمے میں مخلص نہیں ہے۔ خلیل زاد کے امن مشن کو دو ماہ گزر چکے ہیں۔ افغانستان کا مسئلہ جوں کا توں پڑا ہے، بلکہ جنگ پہلے سے زیادہ شدت اختیار کر چکی ہے۔ امن کے بجائے افغانستان کے نہتے شہریوں پر وحشیانہ حملے پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ کرتے جا رہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ہزاروں شہری شہید ہوئے ہیں۔

خلیل زاد افغان نژاد ہونے کے ناطے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ افغان امن بارے امریکا کی دورخی سیاست کبھی بھی کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوگی۔ خلیل زاد کو چاہیے سب سے پہلے امریکی عہدے داروں سے مسئلے پر بات کریں کہ کیا واقعی وہ افغانستان میں امن کے متلاشی ہیں؟ اگر امریکا کی کوشش یہ ہے کہ کسی بھی راہ سے طالبان پر دباؤ ڈال کر انہیں مذاکرات کی میز پر لا کر اپنی شرائط منوالیں گے تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔ دراصل امریکا کے ساتھ امن مذاکرات میں طالبان کی شمولیت امریکا کے لیے اہم موقع ہے۔ اسے چاہیے وہ اس سے فائدہ اٹھائے۔ سترہ سالہ جنگ کے دوران ڈیڑھ لاکھ کی بین الاقوامی فوجی، سیاسی اور انٹیلی جنس اداروں کی مشترکہ قوت امریکا کو فتح نہیں دلا سکیں تو اب چند فوجیوں کی مدد سے کیسے کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے؟ اب امارت اسلامی ماضی کی نسبت کئی گنا زیادہ مضبوط اور منظم ہے۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر بھی طالبان کی جدوجہد کی حمایت میں کئی ممالک طالبان کے مؤقف کی حمایت کر چکے ہیں۔ دوسری جانب امریکی فوج اپنی تاریخ کی طویل ترین جنگ میں الجھ کر حوصلہ ہار چکی ہے۔ اس میں مجاہدین سے لڑنے اور ان کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں ہے۔

امریکا کی بڑھتی درندگی

شاہد غزنوی

حال ہی میں افغان عوام پر امریکا کے وحشیانہ مظالم کا سلسلہ انتہائی تیز ہوا ہے۔ خود امریکی فوجی اعتراف کر رہے ہیں کہ جنوری 2018 کے آغاز سے اکتوبر کے آخر تک افغانستان پر 6ہزار بم پر گرائے گئے ہیں۔ یہ بم عوامی علاقوں اور بستیوں پر گرائے گئے۔ نومبر کے آواخر میں ہلمند کے ضلع گرمسیر میں ایک گھر پر ہونے والی بمباری میں تیس سے زیادہ افراد ہلاک ہوگئے۔ ان میں اکثریت خواتین اور بچوں کی تھی۔

اسی طرح غزنی، پکتیا، پکتیکا، خوست، ننگرہار اور قندوز میں عوامی علاقوں پر امریکا کی اندھی بمباری اور راتوں کو حملے جاری ہیں۔ جس میں ہزاروں افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ امریکی وحشت کی یہ لہر اس وقت بہت تیز اور مضبوط ہوگئی، جب امارت اسلامیہ کے نمائندوں نے ماسکو اجلاس میں شرکت کی اور وہاں کابل انتظامیہ کے نمائندوں کے مقابلے میں اہم ترین سیاسی اور سفارتی کامیابی حاصل کی۔ افغانستان کے حوالے سے ماسکو اجلاس درحقیقت افغانستان میں امریکی شکست کا ایک شرم ناک مظہر تھا، جس کا نظارہ افغانستان کے پڑوسی ممالک اور خود امریکی نمائندوں نے دیکھا۔

اس اجلاس میں امارت اسلامیہ کے نمائندوں نے بہت مہارت اور مضبوطی سے جہاد اور مجاہدین کے مؤقف کا دفاع کیا۔ افغانستان میں موجود حقائق عالمی دنیا سے شیئر کیے۔ ماسکو اجلاس میں امارت اسلامیہ کے مضبوط مؤقف اور امارت اسلامیہ کے نمائندوں کی کامیاب سفارت کاری نے دنیا کو اس بات پر قائل کر دیا کہ امارت اسلامیہ کے پاس افغان مسئلے کے حل کے لیے ایک واضح اور معقول مؤقف ہے۔ اس پر عمل کرنے سے ممکن ہے، افغانستان کا مسئلہ حل ہو جائے۔

ماسکو اجلاس میں امارت اسلامیہ کے منطقی مؤقف نے روسی فیڈریشن کے میڈیا حکام کو اس بات پر مجبور کیا کہ اب امارت اسلامیہ کے متعلق ان اصطلاحات کا مزید استعمال نہ کیا جائے، جو امریکا اپنے میڈیا اور پروپیگنڈے میں امارت اسلامیہ کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ مجاہدین کی یہ سیاسی کامیابیاں اس بات کا باعث بن چکی ہیں کہ اب مزید بھی افغانستان میں ہونے والے امریکی مظالم دنیا کے سامنے آئیں گے۔ امریکی جارحیت پسند اور کٹھ پتلی انتظامیہ عسکری اور سیاسی میدان میں مجاہدین کے مقابلے میں کمزور ہیں، وہ چاہتے ہیں عوام پر مظالم ڈھا کر اپنی کمزوری اور شکست پر پردہ ڈال سکیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں عوام پر وحشیانہ بمباری اور راتوں کے حملے کر کے مجاہدین کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ مذاکرات میں امریکا کے مطالبات تسلیم کر لیں۔

امریکی بمباریوں، نائٹ آپریشنز اور عام لوگوں کی ہلاکتوں کا سلسلہ اسی لیے تیز ہوگیا ہے۔ امریکی وحشت مظلوم افغان شہریوں کو نقصان پہنچانے کے لیے جتنی شدت سے کام لے گی، اتنا ہی افغان عوام کے دلوں میں جارحیت پسندوں کے خلاف جہاد اور مزاحمت کا جذبہ بڑھتا ہے۔ ان شاء اللہ کسی روز امریکی استعمار بھی یہاں فنا ہو جائے گا۔

امریکا کی احمقانہ پالیسی

معین احمد معین

ایک طرف امارت اسلامیہ اور امریکی حکام کے درمیان مذاکرات کے حوالے سے بات چیت جاری ہے۔ دوسری طرف افغانستان میں پل چرخی جیل میں سکیورٹی فورسز کی جانب سے قیدیوں پر فائرنگ کا سلسلہ جاری ہے، جس میں بہت سے قیدی بے ہوش اور زخمی ہوئے ہیں۔ یہ صرف پل چرخی جیل نہیں، جس پر مذاکراتی اجلاس کے دوران حملہ ہوا ہے، بلکہ مذاکرات کے آغاز کے ساتھ ہی امریکی درندوں اور کٹھ پتلیوں نے طالبان پر دباؤ ڈالنے کے لیے مظلوم افغان عوام کو اپنی وحشیانہ بمباری کا نشانہ بنایا ہے۔ جس میں روزانہ درجنوں کی تعداد میں عام لوگ شہید اور زخمی ہو رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا امارت اسلامیہ اور امریکی نمائندوں کے درمیان ہونے والی حالیہ ملاقات سے ان وحشیانہ کارروائیوں میں کمی آئے گی یا اس میں اضافہ ہوگا؟

امریکا کی وحشیانہ فطرت کو دیکھتے ہوئے یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مظالم کی سطح میں کمی لائے گا۔ امریکا سمجھتا ہے طالبان سے اپنے مطالبات منوانے کے لیے انہیں اسی طریقے سے مجبور کیا جاسکتا ہے۔ امریکی دنیا کے احمق ترین لوگ ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر طالبان کو دباؤ میں لا کر ان سے اپنے مطالبات تسلیم کروانا آسان ہوتا تو وہ سترہ سالوں میں کب کے امریکی مظالم کے آگے ہتھیار ڈال چکے ہوتے۔ طالبان پر بموں کی ماں سے لے کر ممنوعہ ہتھیاروں تک سب کچھ استعمال کیا گیا۔ طالبان ہتھیار ڈالنے کے بجائے مزید مضبوط ہوئے ہیں۔ اگر امریکا طالبان سے براہ راست مذاکرات کے لیے مذاکرات کی میز پر آمنے سامنے بیٹھا ہے تو یہ بھی طالبان کی جہادی مزاحمت اور قربانیوں کی برکت ہے۔ متحدہ عرب امارات میں امارت اسلامیہ اور امریکا اجلاس سیاسی اور میڈیائی میدان میں امارت اسلامیہ کے لیے بہت بڑی کامیابی ہے۔ خاص کر جب امارت اسلامیہ شروع دن سے آج تک اپنے مؤقف پر قائم رہی۔ اُس نے کابل انتظامیہ کے وفد سے کسی قسم کی ملاقات سے انکار کیا۔

امارت اسلامیہ کا اپنے مؤقف پر ثابت قدم رہنا اور مقابل فریق سے اپنے مطالبات منوانا سفارتی اور میڈیائی میدان میں بہت بڑی کامیابی ہے۔ امارت اسلامیہ کی اس کامیابی سے امریکا پر ضرور منفی اثر پڑے گا۔ امریکا اپنی شکست کا بدلہ عام افغان شہریوں سے لیتا ہے۔ ان کے خلاف اندھی بمباری اور نائٹ آپریشنز میں اضافہ کرتا ہے۔ اس لیے طالبان کی مذاکراتی ٹیم کو چاہیے وہ مذاکرات کے دوران امریکی حکام سے مطالبہ کریں کہ وہ طالبان پر دباؤ ڈالنے کے لیے کنڑ، ہلمند اور گرمسیر کے جیسے انسانیت سوز جرائم سے دور رہے۔ افغان عوام کے خلاف امریکا کا وحشیانہ رویہ امریکا کے خلاف جہادی مزاحمت میں شدت اور حملوں میں مزید تیزی کا باعث ہوگا۔

اس جہاد کو گوانتانامو، بگرام اور پل چرخی کی جیلیں کنٹرول نہیں کر سکیں۔ امریکی درندوں کے ہاتھوں عوام کے قتل عام سے بھی اسے کنٹرول نہیں کیا جا سکے گا۔ اللہ کی نصرت سے یہ مزید بھی اتنا مضبوط ہوگا کہ بالآخر امریکی استعمار کا سارا غرور یہاں دفن ہو جائے گا۔ یہ اسی طرح تاریخ کا حصہ بنے گا، جس طرح اس برطانیہ اور سوویت استعمار یہاں دفن ہیں۔

سانحہ کنڑ

عبداللہ ارشاد

ہر افغان باشندہ ایسے وقت کے انتظار میں ہے، جب بمباری کا خوف، چھاپوں کا اندیشہ اور نہ ہی بیرونی غاصبین کا کوئی ڈر ہو۔ سترہ سالہ جنگ سے لوگوں کی زندگیاں بہت متاثر ہوئی ہیں۔ اب جب مذاکرات کی آواز سننے کو ملی تو امید کی ایک کرن سی پیدا ہوئی ہے۔ دوسری جانب کابل انتظامیہ اور بیرونی غاصبین کے انسانیت سوز چھاپوں اور حملوں نے پھر سے پریشان کر دیا ہے۔ اس دوران ایسے مظالم ہو رہے ہیں، جس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کنڑ اور گرمسیر کے تازہ واقعات اس کی مثالیں ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق رواں سال غاصبین نے 44655 بے گناہ لوگ شہید کیے ہیں۔

اگر ایسے مظالم ہمارے گھر پر ہوں تو ہمارا کیا ردعمل ہوتا؟ ان مظالم کے وقت ہماری کیا ذمہ داری ہونی چاہیے؟ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ایک جسم کے مانند قرار دیا۔ اگر سر میں درد ہو تو تمام جسم بے قرار ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو دیوار میں لگی اینٹوں سے تشبیہ دی۔ جس میں ہر ایک دوسرے کے لیے سہارا ہے۔ امریکی وحشت و سربریت کے مقابلے میں ہم اپنی حیثیت دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم فرمایا۔ سات چیزوں سے منع فرمایا۔ جن باتوں کا حکم فرمایا تھا، ان میں ایک مظلوم کی مدد کا حکم بھی تھا۔

ہم سانحہ کنڑ کے ردعمل میں کیا کر سکتے ہیں؟ حقیقتاً ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

'وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاء وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيّاً وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيراً' (النساء:75)

کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو، جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال، جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اور ہمارے لیے اپنے ہاں سے کوئی حمایتی بھیج دے اور ہمارے لیے اپنے ہاں سے کوئی مددگار بنادے۔'

اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ ظلم سے نجات کا واحد طریقہ اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔ انفرادی اقدامات نقصان کا باعث ہیں۔ ہمارے لیے بہتر یہی ہے کہ مجاہدین صفوں کو مضبوط کریں۔ جہاد کے ذریعے ہی دشمن کا دماغ ٹھکانے آ سکتا ہے۔ ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'جب کوئی ظالم کو دیکھ کر اسے ظلم سے نہ روکے تو مجھے ڈر ہے کہ سب پر عذاب نہ آجائے۔' اگر ہم کنڑ، زابل، اروزگان اور گرمسیر جیسے واقعات پر چپ کا روزہ رکھ کر بیٹھے رہیں تو خدانخواستہ ایسے واقعات ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ پیش آ سکتے ہیں۔ بیعتِ عقبہ میں رسول اللہ ﷺ نے مدد و نصرت کی شرط لازم قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ 'میں تم سے اپنے لیے اور اپنے صحابہ کے لیے مدد و نصرت طلب کرتا ہوں۔ تم ہم سے ہر اُس مصیبت کو ٹالو گے، جس سے تم خود بچتے ہو۔

عوام کی ذمہ داری

حفیظ اللہ عابد

افغان عوام چالیس سال سے جنگ اور مصیبتوں کے شکار ہیں۔اسی وجہ سے اب تمام تر چیلنجز اور دشمن کی سازشوں کا سامنا کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ وہ ہر جارحیت کو منہ توڑ جواب دینے کی ہمت رکھتے ہیں۔ وہ موجودہ امریکی جارحیت کے خلاف امارت اسلامیہ کی قیادت میں سترہ برس سے برسرپیکار ہیں۔ وہ تیزی سے کامیابی کی جانب گامزن ہیں۔انہیں اسلاف کی تاریخ ورثے میں ملی ہے۔ انہوں نے ہر استعمار کو جارحیت کا منہ توڑ جواب دیا ہے۔ وہ سر جھکانے کے بجائے سر ہتھیلی پر رکھ کر جینے کی تاریخ رکھتے ہیں۔اسی پر فخر کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے تاریخ کے مختلف ادوار میں انگریز استعمار، سوویت یونین اور اب امریکی جارحیت کو شکست دے کر افغانی غیرت کی تاریخ رقم کی اور یہ ثابت کیا کہ نئی نسل بھی اسلاف کی تاریخ رقم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

گزشتہ ماہ کے امن مذاکرات حوالے سے مختلف واقعات رونما ہوئے۔ عوام کو شدید چیلنجز اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مجاہد عوام ثابت قدم رہے۔ مزاحمت پر آنچ آنے نہیں دی۔ امریکی حکام کی جانب سے براہ راست مذاکرات پر آمادگی ظاہر کرنا، سابقہ پالیسی پر یوٹرن لینا اور طالبان کا عسکری پیش رفت کے علاوہ سیاسی محاذ پر کامیابی حاصل کرنا حالیہ مہینوں میں رونما ہونے والے اہم واقعات ہیں۔ ایک جانب امن مذاکرات جاری ہیں تو دوسری جانب امریکی چھاپوں اور بمباریوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ آئے روز نہتے شہریوں پر تشدد کے دل خراش واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ عوام کے قتل عام اور شیعہ نفرت اور تعصب کو ہوا دینے کی ناکام کوششیں جاری ہیں۔اس کے لیے بڑے پیمانے پر پروپیگنڈا بھی کیا جاتا ہے۔ میلاد کی مناسبت سے منعقد کانفرنس پر حملہ اور غزنی کے دو اضلاع جاغوری اور مالستان کی لڑائی کو لسانی جنگ قرار دینے کے لیے پروپیگنڈا کرنا واضح مثال ہے۔ اسی طرح مذہبی اور مسلکی اختلافات کو ہوا دینا اور معمولی مسائل میں الجھنا بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ افغان عوام اور مجاہدین اس پر خصوصی توجہ دیں اور دشمن کی سازش ناکام بنائیں۔

اس میں شک نہیں کہ امریکا کو افغانستان میں ہزیمت اٹھانا پڑی ہے اور اب وہ راہ فرار اختیار کر رہا ہے۔ جنگ کی طوالت ناکامی اور شکست کا ثبوت ہے۔ تاہم دشمن افغان عوام کے درمیان مسلکی بنیادوں پر نفرت اور تعصب کو ہوا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ افغانستان کی تاریخ میں ایسی نفرتوں کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ وہ سمجھتے ہیں یہاں بھی عراق کی طرح نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔اسی لیے انہوں نے پہلے اہل تشیع کے مراکز، کانفرنسوں اور مذہبی مقامات پر حملے اور بم دھماکے کیے۔ پھر احساس محرومی دور کرنے کی تحریک شروع کرنے کے لیے نوجوانوں کو مسلح کرنے اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے واقعات بھی عوام کے سامنے ہیں، جن کی پشت پر قابض غیر ملکی قوتیں کھڑی ہیں۔

مگر ان تمام تر ہتھکنڈوں اور حربوں کے باوجود دو حوصلہ افزا امیدیں موجود ہیں کہ دشمن کی یہ چالیں بھی ناکام رہیں گی۔ ایک امید یہ ہے کہ مستقبل میں مؤثر قوت طالبان برسراقتدار آ رہے ہیں۔ وہ شیعہ سنی کے درمیان رواداری اور بھائی چارے کی فضا قائم کرنے کا بہترین تجربہ رکھتے ہیں۔ وہ دشمن کی سازشوں کو سمجھتے بھی ہیں اور بے نقاب کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ دوسری امید یہ ہے کہ اہل تشیع بھی افغان ہیں۔ وہ دشمن کی سازش سمجھتے ہیں۔ وہ غلامی کی زنجیریں توڑ کر بھائی چارے کی فضا قائم کرنے میں تعاون کریں گے۔ اس کا نتیجہ قابض امریکا کے نقصان پر منتج ہوگا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ افغان عوام ہوشیار رہیں۔ وہ دشمن کے پروپیگنڈے پر کان نہ دھریں۔ حالات کا خود جائزہ لے کر سنجیدگی کے ساتھ درپیش چیلنجز کا مقابلہ کریں۔ امارت اسلامیہ کی اسلامی اصولوں پر مبنی پالیسی کی بدولت ملک میں دشمن کی سازشیں ناکام ثابت ہوں گی۔ عوام کی ذمہ داری ہے وہ بھی دشمن کی سازش ناکام بنانے میں مجاہدین کے ساتھ بھرپور تعاون کریں۔

اشرف غنی کی مجرمانہ خاموشی

صدیق صارم

دنیا کے ہر ملک کا صدر اپنے شہریوں کو درپیش مسائل کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جب بھی ان پر بُرا وقت آتا ہے، سربراہ مملکت کی نیندیں اڑ جاتی ہیں۔ وہ اپنے شہریوں کو ہر ممکن سہولیات بہم پہنچانے کے لیے دن رات ایک کیے رکھتا ہے۔ جب ملک قدرتی آفات یا کسی ایسے مسئلے کا شکار ہو، جہاں شہریوں کی جان کو خطرات لاحق ہوں تو ایسی صورت میں دنیا کے ممالک ایمرجنسی بنیادوں پر کام کا آغاز کرتے ہیں۔ مرنے والوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کے طور پر قومی سطح پر سوگ منایا جاتا ہے۔

افغانستان میں جو خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے، اس پر افغانستان کے نام نہاد صدور بالکل خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتے آ رہے ہیں۔ حال ہی میں افغانستان کے طول و عرض عام شہریوں پر امریکا کے وحشیانہ حملوں میں سیکڑوں شہری شہید ہوئے ہیں۔ جب کہ اشرف غنی لفظی مذمت کے لیے بھی تیار نہیں۔ اشرف غنی کی خاموشی امریکا کے ساتھ ایک پیشگی معاہدے کا نتیجہ ہے۔

ذرائع کے مطابق کرزئی نے عام شہریوں بارے مکمل خاموش رہنے کا امریکی حکم مسترد کیا تھا۔ یہی وجہ تھی وہ کبھی کبھار میڈیا کے سامنے مگرمچھ کے آنسو بہایا کرتے تھے۔ حالانکہ عوام اچھی طرح جانتی ہے کہ ہر امریکی آپریشن ان ہی کے مرہون منت ہوتا تھا۔ دوسری جانب اشرف غنی نے عام شہریوں بارے آواز نہ اٹھانے کا معاہدہ کر رکھا ہے۔ پکتیا، خوست، قندوز، وردگ، پکتیکا، غزنی، ہلمند اور کنڑ میں حالیہ مہینوں میں ہونے والی کسی بھی امریکی بمباری بارے ان کا کوئی بیان سامنے نہیں آیا۔ اشرف غنی کو چاہیے سابقہ کمیونسٹ تاریخ کا مطالعہ کریں۔ وہ اپنے اقتدار پر مغرور تھے۔ انہوں نے اس غرور کے نتیجے میں اپنے مظلوم شہریوں کے خون کے دریا بہادیے۔ پھر ان کا انجام کیا ہوا؟ ساری دنیا جانتی ہے۔

جو خاموشی آپ نے اپنے شہریوں کی اموات اور ملک کی تباہی پر اختیار کی ہے، تاریخ اس پر خاموش نہیں رہ سکتی۔ آپ کے جفاؤں کا ہر لمحہ تاریخ کے اوراق میں ثبت ہو رہا ہے۔ جسے آنے والی نسلوں تک منتقل کیا جائے گا۔ آپ کے ان سیاہ کارناموں کی تاریخ وہی لوگ رقم کر رہے ہیں، جنہوں نے آپ کے ملک پر بموں، ٹینکوں اور طیاروں کے لاؤلشکر کے ساتھ جارحیت کی ہے۔ کل جب یہ افغانستان چھوڑ کر جائیں گے تو آپ ان کی ضرورت نہیں رہیں گے۔ آپ کو ٹشو پیپر کی طرح استعمال کے بعد پھینک دیا جائے گا۔ تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھ لیجیے۔ انہوں نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ جنہوں نے استعمار کا ساتھ دیا، ان کے ساتھ کیا سلوک ہوا؟

جہادی محاذ کی برکت

محمد عابد

گزشتہ کئی ماہ سے امن مذاکرات کی خبریں زبان زد عام ہیں۔ بالآخر ماسکو کانفرنس کے ذریعے طالبان کے مؤقف سے بہت سے لوگوں نے امیدیں وابستہ کر لی ہیں۔ جب کہ اصل حقیقت سے قبل ہی کابل انتظامیہ کے اوسان خطا ہو گئے ہیں۔ اس نے یہ خفت مٹانے کے لیے کچھ ایسے اقدامات اٹھائے ہیں، جن سے ان کی حالت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اگر میدان جنگ کا جائزہ لیتے ہوئے مجاہدین کی قربانیوں اور فداکاریوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ غیر ملکی جارحیت پسندوں سمیت کابل کی غلام انتظامیہ بھی مکمل ناکامی کے بعد عام شہریوں کو نشانہ بنانے لگی ہے۔ عام شہریوں پر اندھا دھند بمباریوں کی وجہ سے خواتین اور بچوں کا بے دریغ قتل عام ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ مساجد، مدارس اور بازاروں پر بمباری کر کے شہریوں کو کروڑوں روپے کا مالی نقصان بھی پہنچایا جا رہا ہے۔ دشمن کی جانب سے اس قسم کے ظالمانہ رویے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مجاہدین کو چاہیے کہ وہ جہادی محاذوں پر ڈٹ جائیں اور دشمن پر طوفانی اور تباہ کن حملوں کا آغاز کریں۔

ہمارے مظلوم عوام کا دشمن کی جانب سے قتلِ عام اس کی شکست کی واضح دلیل ہے۔ البتہ اس کے مقابلے میں مجاہدین کی جانب سے جہادی محاذ کی مضبوطی اور انتقامی کارروائیاں ہماری اولین ضرورت ہیں۔ جس سے ہم کسی بھی لمحے غافل نہیں ہوں گے۔ یہ اسی جہاد کی برکت ہے، جس کی وجہ سے دنیا کی نام نہاد طاقت ور ممالک نہتے طالبان سے مذاکرات کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ اس وقت مجاہدین اور خاص کر وہ نفوذی مجاہدین، جو دشمن کی صفوں میں کارروائیوں کے انتظار میں ہیں، انہیں ایک نہایت اہم موقع دستیاب ہے۔ ایسے مواقع کبھی کبھی ملتے ہیں۔ اس وقت افغانستان کے طول و عرض میں دنیا کے کئی کفریہ ممالک کی فوجیں موجود ہیں۔ مجاہدین کو چاہیے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جارح فوجیوں پر اپنی کارروائیوں سے کاری ضرب لگا کر اپنے شہداء کے خون کا حساب لیں۔

فتوحات اور میڈیائی پروپیگنڈے

رحمت افغان

افغانستان میں حال ہی میں ہزارہ اور شیعہ مسلک کی آبادی والے علاقوں میں کامیاب جہادی کارروائیاں ہوئی ہیں۔ صوبہ غزنی کے شمالی علاقوں جاغوری، مالستان اور صوبہ ارزگان کے مشرقی علاقوں میں بھی کامیاب کارروائیاں ہوئی ہیں۔ ہمیشہ کی طرح کچھ سیاسی قوتوں نے منافقت اور میڈیا نے زرد صحافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کارروائیوں کو شیعہ مسلک کے خلاف جنگ کا نام دے کر فرقہ پرستی کا صور پھونکنے کی کوشش کی۔ عوام میں یہ تاثر پھیلانے کی کوشش کی کہ ہزارہ کمیونٹی اور شیعہ مسلک کے لوگوں کے جان و مال کو طالبان سے خطرہ ہے۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ اس نوعیت کے پروپیگنڈوں کے پیچھے وہ قوتیں کارفرما ہیں، جو ہمیشہ ملک میں قومی، لسانی، علاقائی، مذہبی اور مسلکی اختلافات کو ہوا دینے میں پیش پیش رہی ہیں۔ وہ اس طرح کی کوششوں سے ناجائز فائدہ حاصل کرتی ہیں۔

اس حوالے سے امارت کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے ہمیشہ کی طرح بروقت ردِ عمل دیتے ہوئے ایک اعلامیہ میں وضاحت کی کہ امارت کسی قومی، مسلکی یا لسانی بنیادوں پر اپنے باشندوں کے ساتھ کسی طرح اختلافات کو روا نہیں رکھتی۔ جس طرح امارت کے دور میں وہ تمام باشندوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم رکھے ہوئے تھی، اسی طرح آج بھی اس نوع کے اختلافات کو ملک کی تعمیر و ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتی ہے۔ وہ تمام باشندگان ملک و ملت کو ایک جسم کے عضو کے طور پر دیکھتی ہے۔ یہ حقیقت عیاں ہے کہ افغانستان تاریخی لحاظ سے اہل سنت اور اہل تشیع کی مشترکہ سرزمین رہی ہے۔ وہ آپس میں کسی نفرت و تعصب کے بجائے باہمی محبت و الفت کی فضا میں ملک کی تعمیر میں حصہ ڈالتے رہے ہیں۔ افغانستان میں کبھی فرقہ وارانہ بنیادوں پر جنگیں نہیں ہوئیں۔ یہاں ہمیشہ جنگ بیرونی جارحیت ہی کی وجہ سے رہی ہے۔ اب بھی اسی عامل کی وجہ سے جنگ جاری ہے۔

امارت کی ہمیشہ کی طرح کوشش رہی ہے کہ افغانستان کو فرقہ وارانہ تعصبات سے پاک رکھا جائے۔ مغربی میڈیا اور مغرب کے حلقہ بگوش کٹھ پتلی سیاست دانوں کی کوشش رہتی ہے کہ طالبان کی حالیہ فتوحات کو خانہ جنگی کا نام دے کر بے اثر کیا جائے۔ یہ نام نہاد سیاست دان ملک بھر میں نفرت کے استعارے کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ یہ کوشش کرتے ہیں کہ قومی اور لسانی تعصبات کو ہوا دے کر قومی مفادات کو ذاتی و انفرادی مفادات پر قربان کر دیں۔ امارت نے ایک اعلامیہ کے ذریعے ایسے ناپاک کرداروں سے پردہ ہٹایا ہے۔ اعلامیہ میں کہا گیا کہ بعض قوتوں کی ایسی ناپاک کوششیں ملک میں قومی، مذہبی، لسانی اور مسلکی تعصبات کو ہوا دینے کا باعث بن رہی ہیں۔ اس سے افغانیوں میں منفی ذہنیت کو پروان چڑھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مجاہدین کی کارروائیوں کو خانہ جنگی قرار دیا جا رہا ہے۔ امارت کے انٹیلی جنس ادارے ایسے کرداروں کی کڑی نگرانی کر رہے ہیں۔ موقع و محل کی مناسبت سے انہیں مناسب جواب بھی دیا جائے گا۔ ہم اس اعلامیے کی رو سے ہزارہ برادری پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مجاہدین کے آپریشن کے دوران ان کی املاک اور جان و مال کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اگر کسی کا بیٹا کابل ادارے کے ساتھ کام کر رہا ہے تو وہ خود ہی اس کا ذمہ دار ہے۔ ایسے میں ان کی جان و مال کو کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔

اسی لیے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ مرکزی علاقوں اروزگان، جاغوری اور مالستان میں جہادی کارروائیاں کسی مخصوص ایجنڈے کے تحت نہیں ہوئیں، بلکہ یہ سب بیرونی غاصبین کے خلاف معمول کی جہادی کارروائیاں تھیں۔ یہ ان کٹھ پتلیوں کے خلاف کاروائیاں ہیں، جو ان علاقوں میں رسوخ رکھتے ہیں۔ اس لیے یہ حقیقت واضح ہے کہ مجاہدین اس ملک کے عوام کے غم خوار اور ان کے جان و مال کے حقیقی محافظ ہیں۔ امارت کے جہاد کے خلاف جو منفی پروپیگنڈے ہو رہے ہیں، وہ محض ان کی قوت توڑنے کے لیے کیے جا رہے ہیں۔ اِن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

فرعونیت نئے روپ میں

نور احمد

فرعون کو نجومیوں نے اس کے ایک خواب کی تعبیر میں بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا، جو تیری بادشاہت کا خاتمہ کرے گا۔ فرعون کے مشیروں نے اسے مشورہ دیا کہ کہ آج کے بعد بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر بچے کو قتل کیا جائے، تاکہ اس میں وہ بچہ بھی قتل ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ فی زمانہ فرعون کی یہ پالیسی امریکا نے اپنا رکھی ہے۔ وہ بے دریغ افغان بچوں کا قتل عام کر رہا ہے۔ دوسری جانب اس کے مشیر امریکا کے ہر ظالمانہ عمل کا میڈیا سمیت ہر فورم پر دفاع کرتے نظر آتے ہیں۔ قندز، ہلمند اور پکتیا میں وحشیانہ بمباریوں کے نتیجے میں سیکڑوں شہری شہید ہوئے ہیں۔ حال ہی میں کنڑ میں بمباری کر کے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے، جس میں چار دیہات ملیامیٹ کر دیے گئے ہیں۔

امریکا ان تمام مظالم کا مرتکب ہونے کے باوجود کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتا۔ اقوام متحدہ ہو یا انسانی حقوق کی نام نہاد تنظیمیں، درپردہ امریکا کو ہی سپورٹ کرتی ہیں۔ دوسری جانب میڈیا کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ غیر جانب دار رہتے ہوئے حقائق بیان کرے۔ ہمارے یہاں اس کا کردار بالکل نظر نہیں آتا۔ وہ اپنی نشریات کا رخ ہمیشہ اس طرف موڑتا ہے، جس سے امریکی اور یہودی لابی کے مفادات متاثر نہ ہوں۔ ہمیشہ ان باتوں کو زیادہ کوریج دی جاتی ہے، جن میں اسلام اور مسلمانوں کی کردار کشی کی گئی ہو۔ جب کہ دوسری جانب امریکا اور اس کے اتحادیوں کی جانب سے افغانستان میں روا رکھے جانے والے مظالم پر ان کی زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ سماعت کام چھوڑ جاتی ہے۔ آنکھ دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ جس دن غلطی سے امریکا کے مظالم بیان کرتے ہیں تو بھی اصل حقائق بیان کرنے کے بجائے واقعے کو سرسری طور پیش کرتے ہیں۔ اس میں بھی امریکا کو کارروائی کرنے پر مجبور دکھایا جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال ایک امریکی نواز ویب سائٹ کی ایک تحریری رپورٹ کا یہ عنوان ہے: 'کنڑ میں مارے جانے والے طالبان اور شہریوں کے بارے میں متضاد اطلاعات۔'

بی بی سی پشتو کے تمام رپورٹرز افغان ہیں۔ وہ خواتین بارے سلسلہ وار پروگرام میں ایسی چیزیں پیش کرتے ہیں، جو افغان سماج کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہیں۔ جب انہی خواتین کو امریکی طیارے موت کی نیند سلا دیتے ہیں تو اسی چینل سمیت تمام میڈیا خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتا ہے۔ اس دجالی میڈیا کے کیمرے امریکا اور فرانس کے نائٹ کلبز میں مرنے والوں کے واقعات براہ راست دکھا سکتے ہیں، لیکن افغانستان میں امریکی وحشت کی ریکارڈنگ پر ان کے کیمرے جواب دے جاتے ہیں۔ کابل کی کٹھ پتلی انتظامیہ کے عہدے دار سابق صدر بش کے والد کی موت پر تعزیتی پیغامات بھجوا رہے ہیں۔ اپنی سرزمین پر امریکا کے ہاتھوں سیکڑوں شہریوں کی شہادت پر فرعون کے مشیروں کا کردار اپناتے ہیں۔ روسی جنرل لیاخوفسکی کے مطابق جب برژنیف نے عام افغان شہریوں کی اموات پر تشویش کا اظہار کیا تو تب کے روس کے لیے فرعونی مشیر کا کردار ادا کرنے والے حفیظ اللہ امین نے کہا تھا 'تشویش کی کوئی بات نہیں، یہ افغان قوم ہے۔ قتل کیے بغیر سدھر نہیں سکتی۔' آج یہی تجربہ امریکا دہرا رہا ہے۔ افغانوں کے قتل عام پر کابل کے کٹھ پتلی حکام کسی بھی قسم کا ردعمل نہیں دکھاتے۔ وہ ہر جرم کو جواز کی سند فراہم کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔

کٹھ پتلی انتظامیہ کے ترجمان اور سوشل میڈیا پر فعال کاسہ لیس افراد اپنے اعلیٰ عہدے داروں سے دو ہاتھ آگے ہیں۔ وہ یہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں کہ امریکی بمباری کے نتیجے میں عام شہریوں کو نقصانات پہنچتا ہے۔ انہوں نے اپنے قلم، فکر اور زبان کو چند ڈالروں کے عوض امریکا کے ہاتھ گروی رکھوا دیا ہے۔ ہمیشہ اپنی توانائیاں امریکی پلڑے میں ڈالتے ہیں۔ بمباری کے نتیجے میں شہید ہونے والے عام شہریوں کو یا تو غیر ملکی کہا جاتا ہے یا انہیں بھی طالبان کا ہمدرد قرار دے کر امریکا کے اس ظالمانہ کردار کو جواز فراہم کرتے ہیں۔

وہ امریکا کا دفاع کرتے ہوئے خود کو ہیرو سمجھتے ہیں۔ اس کام کی بدولت امریکی ویزا حاصل کرنے والے ذرا اپنے گریبان میں جھانکیں۔ اسلامی اور افغانی غیرت کا پاس رکھتے ہوئے کم از کم اپنے ہی بچوں کے قتل پر امریکی بندوق کو کندھا پیش نہ کریں۔ اگر آپ لوگ امریکا کے نائٹ کلب کے قتل عام پر تعزیتی پیغامات جاری کر سکتے ہیں تو اپنے بچوں کے قتل عام پر آپ کے کانوں پر جوں کیوں نہیں رینگتی؟ صرف لفظی مذمت کے ذریعے ہی سہی! کچھ تو اپنے شہریوں کے درد اور غم کا احساس ہونا چاہیے۔ ورنہ وہ دن دور نہیں، جب ظلم کی یہ اندھیری مظلوم شہداء کے خون، بے آسرا یتیموں اور بیواؤں کے آنسوؤں کے سیلاب میں فنا ہو جائے گی۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

جنگی جرائم اکتوبر 2018

سید سعید

یکم اکتوبر 2018 کو صوبہ کاپیسا کے کے ضلع نجراب کے علاقے افغان درہ میں زیرو وَن بریگیڈ نے چھاپے کے دوران ایک عورت سمیت دو افراد کو شہید اور سات خواتین کو زخمی کر دیا۔ اسی طرح فاریاب کے ضلع پشتون کوٹ کے علاقے یکہ توت میں فوج کی فائرنگ سے تین شہری شہید، جب کہ پانچ دیگر افراد زخمی ہو گئے۔

2 اکتوبر کو ننگرہار کے ضلع شیرزاد کے علاقے توتولوڑ میں قابض امریکی اور افغان فوج کے چھاپے کے دوران پانچ افراد شہید ہوئے۔ 4 اکتوبر کو قندھار کے ضلع معروف کے علاقے خوگیانو شار خیل میں شادی کی تقریب پر حملہ آوروں نے بمباری کی، جس میں چار خواتین شہید اور گیارہ افراد زخمی ہوئے۔ اگلے دن ہلمند کے ضلع مارجہ کے علاقے کروچارائی اور ترخ ناور میں قابض امریکی فوج کی بمباری میں چار افراد شہید ہوئے۔

5 اکتوبر کو صوبہ میدان وردگ کے ضلع نرخ کے علاقے تیتمور درہ میں قلعہ سنگی کے مقام پر زیرو وَن پولیس اہل کاروں نے تین افراد کو شہید کر دیا۔ اگلے دن صوبہ فاریاب کے ضلع قیصار کے علاقے شاخ میں فوج نے ایک گاڑی پر فائرنگ کی، جس میں سوار چار افراد شہید ہو گئے۔ اسی دن پکتیا کے ضلع گردی چیڑی کے علاقے سوری خیل میں فوج نے بازار پر گولہ باری کی۔ اس میں متعدد دکانیں تباہ اور 9 افراد شہید، جب کہ 5 زخمی ہوئے۔

7 اکتوبر کو پکتیکا کے ضلع یحییٰ خیل کے علاقے ملاباغ میں پولیس کی فائرنگ سے سلیم اللہ ولد میرزا شہید ہوا۔ جب کہ 9 اکتوبر کو ہلمند کے ضلع گریشک کے علاقے نہر سراج اور جانگل بازار پر قابض امریکی اور افغان فوجیوں نے چھاپہ مارا۔ جس میں تین افراد شہید کر دیے گئے۔ اگلے دن ہلمند کے ضلع ناد علی کے علاقے گل آغا بازار میں قابض امریکی اور افغان فوج کے ساتھ طالبان کی جھڑپ کے بعد حملہ آوروں نے علاقے پر شدید بمباری کی، جس میں خواتین اور بچوں سمیت 12 افراد شہید، جب کہ چار زخمی ہوئے۔ اس کے علاوہ لوگوں کو بھاری مالی نقصان بھی ہوا۔

10 اکتوبر کو صوبہ فراہ کے ضلع خاک سفید کے علاقے دیوال سرخ میں پولیس اہل کاروں نے ایک بزرگ شخص شاگل اکا کو حراست میں لے لیا اور جیل میں پانچ دن بعد شہید کر دیا۔ اسی دن فاریاب کے ضلع چملگزی میں قابض فوج کے طیاروں نے بمباری کر کے دو بچوں سمیت تین افراد کو شہید اور دو بچوں کو زخمی کر دیا۔ اگلے دن ہلمند کے ضلع گریشک کے علاقے میر مند آب میں جارحیت پسندوں اور اجرتی فوج کی مشترکہ کارروائی کے دوران خواتین اور بچوں سمیت 10 افراد شہید، جب کہ 11 افراد زخمی ہوئے۔

14 اکتوبر کو ہلمند کے ضلع سنگین کے علاقے چاروان قلعہ میں اسٹیشن کے مقام پر قابض امریکی اور افغان فوجیوں نے چھاپہ مارا، جس پر مجاہدین نے حملہ کیا۔ فریقین کے درمیان جھڑپوں کے بعد دشمن کے کمانڈوز نے بجلی گھر میں پناہ لی اور وہاں موجود بجلی گھر کے چھ ملازمین کو شہید کر دیا۔ جب کہ تین ملازمین، دو دکان داروں اور ایک کسان کو حراست میں لے لیا۔ اسی دن فاریاب کے ضلع شیرین تگاب کے علاقے اسلام قلعہ، تاش قلعہ، فیض آباد اور کوہ صیاد کے علاقوں میں طالبان کے ساتھ جھڑپ کے بعد دشمن نے علاقے پر شدید وحشیانہ بمباری کی۔ اس میں پانچ گھر تباہ، خواتین اور بچوں سمیت 12 عام شہری شہید اور متعدد زخمی ہو گئے۔

16 اکتوبر کو قندھار کے ضلع میوند کے علاقے اوزبار میں ملکی اور غیر ملکی فوجیوں نے چھاپے کے دوران 6 شہریوں کو شہید کر دیا۔ جس میں بڑے پیمانے پر مکینوں کو مالی نقصان بھی ہوا۔ جب کہ 6 افراد کو گرفتار کیا گیا۔ اسی طرح قابض امریکی اور افغان فوج نے مشترکہ کارروائی میں صوبہ میدان وردگ کے ضلع چک کے علاقے سیسکی بازار میں 300 دکانوں سے قیمتی اشیاء لوٹنے کے بعد اندھی بمباری کی گئی، جس میں پانچ افراد شہید ہو گئے اور تین کاریں تباہ ہو گئیں۔

19 اکتوبر کو قندھار کے ضلع تختہ پل کے گاؤں علی زؤ پر دشمن کے چھاپے میں تین شہری شہید ہوئے، جب کہ سات افراد کو گرفتار کیا گیا۔ اسی طرح 23 اکتوبر کو ننگرہار کے ضلع رودات کے علاقے کابل کیمپ اور ٹویل پر حملہ آوروں اور اجرتی فوج نے چھاپہ مارا۔ جس میں خواتین اور بچوں سمیت 8 شہری شہید ہوئے۔

25 اکتوبر کو قندوز کے ضلع چہار درہ کے علاقے منگٹی میں حملہ آوروں کی بمباری میں تین خواتین شہید اور دو بچے زخمی ہوئے۔ اسی طرح 27 اکتوبر کو صوبہ قندھار کے ضلع میوند کے علاقے گرماوک پر حملہ آوروں اور کٹھ پتلی فوج نے چھاپہ مارا۔ جس میں 6 شہری شہید ہوئے، جب کہ 9 افراد کو گرفتار کر لیا۔

29 اکتوبر کو پکتیکا کے ضلع نکی کے مین بازار، صدیق، نورک، سرہ قلعہ اور بازک گاؤں پر جارحیت پسندوں اور اجرتی فوج نے مشترکہ کارروائی کے دوران چھاپہ مارا۔ فوج نے چالیس دکانوں کو آگ لگا دی۔ جب کہ ڈاکٹر زکیم سمیت تین افراد کو شہید اور پانچ کو زخمی کر دیا۔ اسی طرح خوست کے ضلع سپیری کے مضافات میں پولیس اہل کاروں نے آندھا دھند فائرنگ کر کے پانچ شہریوں کو شہید اور دس افراد کو زخمی کر دیا۔ جب کہ حملہ آوروں اور اجرتی فوج نے صوبہ غزنی کے ضلع واغظ کے علاقے سربلند قلعہ میں مولوی موسیٰ خان کے دینی مدرسے پر چھاپہ مارا۔ جس میں سات طالب علم شہید ہو گئے۔ اگلے دن قندھار کے ضلع خاکریز کے علاقے لام میں حملہ آوروں اور افغان فوجیوں نے چھاپے کے دوران ایک سفید ریش شخص کو شہید کر دیا۔ دس دکانوں کو تباہ اور لوگوں کی گاڑیاں نذر آتش کر دی گئیں۔

افغانستان دسمبر 2018 میں

احمد فارسی

اس مضمون میں صرف ان واقعات کا ذکر ہے۔ جن کا دشمن نے اعتراف کیا ہے۔ جب کہ دیگر واقعات بارے مزید معلومات کے لیے امارت اسلامیہ کی ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے۔

دسمبر میں مجاہدین کو عسکری اور سیاسی محاذوں پر بھرپور کامیابی ملی۔ جب کہ جارحیت پسند اور اجرتی فوج کو بھاری جانی اور مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ اس مہینے متعدد اضلاع اور علاقے فتح ہوئے اور بڑی تعداد میں قابض اور کٹھ پتلی فوج کے اہل کار ہلاک اور زخمی ہوئے۔ ابوظہبی کانفرنس، امریکی فوج کی واپسی، دشمن کے ہیلی کاپٹروں کو مار گرانا اس مہینے کے اہم واقعات ہیں، ان کی تفصیل ذیل میں کچھ واقعات کے ساتھ ملاحظہ کیجیے:

قابض فوج کی ہلاکتیں:

امارت اسلامیہ کے شعبہ اطلاعات نے 31 دسمبر کو ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی۔ اس کے مطابق 2018 میں جارحیت پسندوں کے 249 فوجی ہلاک ہوئے۔ 2 دسمبر کو غزنی کے ضلع دہ یک میں مجاہدین کی ایک کارروائی میں تین امریکی فوجی ہلاک ہوئے۔ 3 دسمبر کو صوبہ فراہ کے ہوائی اڈے پر مجاہدین نے میزائل حملہ کیا، جس کے نتیجے میں قابض فوج کے 9 اہل کار ہلاک ہوئے۔ اگلے روز نیٹو نے اعلان کیا کہ ان کا ایک زخمی فوجی دم توڑ گیا ہے، جو غزنی میں زخمی ہوا تھا۔ 5 دسمبر کو قندھار کے ضلع دامان میں قابض امریکی فوج کے ٹینک پر بارودی سرنگ کا دھماکہ ہوا، جس میں متعدد فوجی ہلاک ہوگئے۔ جب کہ 14 دسمبر کو قابض فوج نے اپنے ایک فوجی کی ہلاکت کا اعتراف کیا۔

کٹھ پتلی دشمن کا جانی نقصان:

6 دسمبر کو نیٹو کے سیکرٹری جنرل نے کہا کہ نیٹو کے تعاون کے باوجود کابل انتظامیہ کے اہل کاروں کی ہلاکتوں کی بڑھتی تعداد قابل تشویش ہے۔ 2 دسمبر کو صوبہ بلخ کے ضلع شکندہ میں ایک کمانڈر ہلاک ہوگیا۔ 4 دسمبر کو صوبہ سرپل کے ضلع صیاد کے پولیس چیف طالبان کے ساتھ جھڑپ میں مارے گئے۔ 11 دسمبر کو قندھار کے ضلع ارغستان میں تین کمانڈر مارے گئے۔ اسی روز کابل میں بھی زیرو ون یونٹ کے اہل کاروں پر مجاہدین کے حملے میں متعدد اہل کار ہلاک اور زخمی ہوئے۔ 12 دسمبر کو فراہ کے ضلع بالابلوک میں ایک کمانڈر چھ اہل کاروں سمیت ہلاک ہوگیا، جب کہ متعدد اہل کار زخمی ہوئے۔ 20 دسمبر کو بغلان کے ضلع غوری میں ایک کمانڈر ہلاک ہوگیا۔ 23 دسمبر کو تخار میں پولیس چیف ہلاک ہوا۔ 31 دسمبر کو تخار کے ضلع درقد میں پولیس چیف ہلاک ہوگیا۔ اس ماہ ہلاک ہونے والے اہل کاروں کی تعداد بارے مقصد قہ رپورٹ تاحال موصول نہیں ہوئی ہے، تاہم بڑی تعداد میں فوجی، پولیس اور لیویز اہل کار ہلاک اور زخمی ہوئے۔

دشمن کے مالی نقصانات:

قابض اور اجرتی دشمنوں کو مجاہدین کے حملوں، فتوحات اور ان کے وسائل کو تباہ کرنے کے باعث بڑے پیمانے پر مالی نقصان کا سامنا ہے۔ دسمبر میں دشمن کو بھاری مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس سلسلے میں یکم دسمبر کو کابل کے ضلع سروبی میں مجاہدین نے دشمن کا ایک ہیلی کاپٹر مار گرایا۔ اس میں سوار تمام اہل کار ہلاک ہوگئے۔ 3 دسمبر کو صوبہ کاپیسا کے ضلع تگاب میں قابض فوج کا ایک چینوک ہیلی کاپٹر مار گرایا گیا۔

اسی طرح 10 دسمبر کو قندھار کے ہوائی اڈے کے قریب دشمن کا ایک ہیلی کاپٹر گر کر تباہ ہوگیا۔اس کے بعد صوبہ فاریاب کے ضلع پشتون کوٹ میں مجاہدین نے دشمن کا ایک طیارہ مار گرایا۔

شہری ہلاکتوں میں اضافہ:

یکم دسمبر کو امریکا کے وزیر دفاع نے کہا کہ گزشتہ 10 ماہ کے دوران افغانستان پر 6ہزار سے زائد بم برسائے گئے ہیں۔ امارت اسلامیہ نے متعدد بار شواہد کے ساتھ کہاہے ان حملوں میں عام شہریوں کو وسیع پیمانے پر نقصان ہو رہاہے۔اس سلسلے میں 8 دسمبر کو پارلیمنٹ کے اسپیکر نے کہا کہ امریکا شہریوں کا قتل عام کر رہاہے۔اس ماہ بڑے پیمانے پر عام شہریوں کی ہلاکتیں ہوئیں۔ 2 دسمبر کو پکتیا کے ضلع زرمت میں ایک عالم دین سمیت پانچ افراد قابض فوج کے چھاپے کے دوران شہید ہوگئے۔ 5 دسمبر کو صوبہ لوگر میں قابض فوج کے حملے میں 8 شہری شہید ہوگئے۔ 14 دسمبر کو قابض امریکی فوج نے صوبہ کنڑ کے ضلع شیگل کا ایک گاؤں مکمل طور پر تباہ کر دیا۔ جس میں خواتین اور بچوں سمیت درجنوں افراد شہید ہوگئے۔ 30 دسمبر کو صوبہ میدان وردگ کے ضلع سید آباد میں ایک مدرسے پر بمباری میں گیارہ طالب علم شہید ہوگئے۔ 30 دسمبر کو پکتیا کے ضلع زرمت میں دشمن کی مشترکہ کارروائی میں ایک مسجد، متعدد گھر تباہ اور 6 شہری شہید ہوگئے۔ یہ چند مثالیں ہیں، جو دشمن کی دہشت گردی کو واضح کرتی ہیں۔

الخندق آپریشن:

امارت اسلامیہ کے ثقافتی کمیشن نے 31 دسمبر کو ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی، جس کے مطابق مجاہدین نے 2018 میں 29 اضلاع فتح کیے۔ مجاہدین کی کارروائیوں کے سلسلے میں 2 دسمبر کو فاریاب کے مختلف اضلاع میں پانچ چوکیاں فتح اور 22 اہل کار ہلاک ہوئے۔ 3 دسمبر کو میدان وردگ کے ضلع سید آباد میں مجاہدین نے زیرو ون یونٹ کے اہل کاروں پر حملہ کیا، جس میں بڑی تعداد میں فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے۔ 5 دسمبر کو قابض فوج پر قندھار کے ضلع دامان میں دھماکہ ہوا، جس میں متعدد فوجی ہلاک ہوئے۔ 12 دسمبر کو مجاہدین نے صوبہ فراہ کا ضلع شیب کوہ فتح کر کے بھاری مقدار میں اسلحہ بھی غنیمت میں حاصل کیا۔ 15 دسمبر کو فاریاب کے ضلع پشتون کوٹ میں سرحوض کے علاقے پر مجاہدین نے اپنا کنٹرول قائم کر لیا۔ 16 دسمبر کو مجاہدین نے اعلان کیا کہ دایکنڈی میں تین دیہات فتح کیے گئے۔ یہ فتوحات کی چند مثالیں ہیں۔

حملہ آوروں کا نصف انخلا:

21 دسمبر کو امریکی میڈیا نے خبر شائع کی کہ امریکا افغانستان سے سات ہزار فوج کا انخلا چاہتا ہے۔افغان عوام نے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا اور اس کو ابوظہبی میں امارت اسلامیہ کے مذاکرات کی کامیابی کا نتیجہ قرار دیا۔ تاہم کابل انتظامیہ کی پارلیمنٹ نے امریکی فوج کی واپسی پر تشویش کا اظہار کیا۔ پارلیمنٹ ارکان نے کہا کہ ان کی زندگی اور حکومت کا دارومدار امریکی فوج کی موجودگی اور ڈالر کی تنخواہوں سے وابستہ ہے۔ وہ جنگ میں اپنے اقتدار کی بقا تلاش کرتے ہیں۔انہیں جنگ اور ہلاکتوں کی کوئی پروا نہیں ہے۔ دوسری جانب 31 دسمبر کو امریکی صدر ٹرمپ نے کہا کہ ناکام جرنیل انہیں اپنے موقف سے دست بردار نہیں کر سکتے۔ اگر ایسا ہی ہے تو جعلی انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی پارلیمنٹ کے ارکان امریکی صدر کے عزم اور موقف پر اثرانداز نہیں ہو سکتے۔

روسی جارحیت کا دن:

27 دسمبر کا دن افغانستان میں روسی جارحیت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ افغانستان کے عوام ہر سال یہ دن سوویت یونین کی جارحیت اور کمیونسٹ انقلاب کے مظالم کے طور پر یاد کرتے ہیں۔ امارت اسلامیہ نے بھی اسی حوالے سے ایک اعلامیہ جاری کیا اور امریکا سے کہا کہ وہ سوویت یونین کی شکست سے سبق حاصل کرے اور زور آزمائی سے اجتناب کرے۔

ہلمند کے گورنر کی شہادت:

2 دسمبر کو امارت اسلامیہ نے اعلامیہ جاری کیا۔ اس کے مطابق صوبہ ہلمند کے

لیے امارت اسلامیہ کے متعین گورنر ملا عبدالمنان اخند امریکی ڈرون حملے میں شہید ہو گئے۔ یہ پہلے شخص نہیں، جو امارت اسلامیہ کے رہنماؤں میں سے جام شہادت نوش کر گئے ہیں۔ امارت اسلامیہ کے تمام چھوٹے بڑے رہنما دشمن کے خلاف جنگ میں صف اول میں لڑتے اور جام شہادت نوش کرتے ہیں۔ یہ ہماری حقانیت کا واضح ثبوت ہے۔

ابوظہبی کانفرنس:

17 دسمبر کو امارت اسلامیہ کے نمائندگان نے متحدہ عرب امارت کے دارالحکومت ابوظہبی میں امن مذاکرات کے حوالے سے کانفرنس میں شرکت کی۔ اس کانفرنس میں امریکی نمائندوں کے علاوہ متحدہ عرب امارات، سعودی عرب اور پاکستان کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔ کابل انتظامیہ نے بھی اس کانفرنس میں شرکت کے لیے ایک وفد بھیجا، تاہم امارت اسلامیہ کے نمائندوں نے اس کے ساتھ ملاقات سے صاف انکار کر دیا۔ جس کے باعث وہ واپس کابل روانہ ہو گیا۔ اس سے پہلے بھی 9 نومبر کو ماسکو میں امن مذاکرات کے حوالے سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی، جس میں امارت اسلامیہ کے وفد نے شرکت کی اور اپنا موقف دنیا کے سامنے پیش کیا۔

ابوظہبی مذاکرات کا اصل موضوع افغانستان سے قابض فوج کا انخلا تھا۔ اس سے پہلے 4 دسمبر کو نیٹو کے سیکرٹری جنرل کے بیان کے ردعمل میں امارت اسلامیہ نے واضح کیا تھا کہ افغانستان سے قابض فوج کا انخلا لازمی ہے۔ اسی طرح دسمبر کے پہلے ہفتے میں بھی مجاہدین نے خبردار کیا تھا اگر امریکی حکام نے افغانستان سے فوجی انخلا شروع نہ کیا تو انہیں راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

ڈیورنڈ کا جھوٹا دعوی:

کابل انتظامیہ ہمیشہ پاکستان سے دشمنی اور ڈیورنڈ لائن پر سمجھوتہ نہ کرنے کے دعوے کرتی رہی ہے۔ وہ سادہ لوح عوام کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر یہ دعوے بھی غلط اور جھوٹ پر مبنی ثابت ہوئے۔ سلامتی کونسل کے سابق سربراہ حنیف اتمر نے یکم دسمبر کو کابل میں پریس کانفرنس کے دوران اعتراف کیا کہ میں نے موجودہ حکومت کی نمائندگی کرتے ہوئے پاکستان کے ساتھ ڈیورنڈ لائن معاہدے پر دستخط کیے، جس سے کابل انتظامیہ کا مکروہ چہرہ بے نقاب ہوا۔

امن دشمنوں کا تقرر:

کابل انتظامیہ ایک طرف امن مذاکرات کا دعوی کرتی ہے۔ جب کہ دوسری طرف اس نے امن دشمنوں اور ملک میں جنگ اور قتل عام چاہنے والے دو سفاک اشخاص کو وزیر داخلہ اور وزیر دفاع مقرر کیا ہے۔ سلامتی کونسل کے سابق سربراہ اسداللہ خالد اور امراللہ صالح ماضی میں مجاہدین کے مقابلے میں ناکام ثابت ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں اسد اللہ خالد مجاہدین کے ایک حملے میں شدید زخمی ہوئے، جنہیں علاج و معالجے کے لیے امریکا منتقل کیا گیا۔ امراللہ صالح طالبان کے خلاف اپنے فرائض منصبی انجام دینے میں ناکامی پر اپنے عہدے سے برطرف کیے گئے۔ انہین 23 دسمبر کو ایک بار پھر وزیر دفاع اور زیر داخلہ مقرر کیا گیا۔ ان دونوں کا تقرر تب کیا گیا، جب ملک بھر میں سکیورٹی فوج پر طالبان کے حملوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ فوج اور پولیس اہل کار بڑھتی ہلاکتوں کے خوف سے راہ فرار اختیار کر رہے ہیں یا مجاہدین کے سامنے سرنڈر ہو رہے ہیں۔ تجزیہ کاروں کے مطابق ان دو ناکام افراد کا تقرر کابل انتظامیہ کی آخری کوشش ہے۔

ماہ نومبر میں ہونے والی کارروائیوں کا جدول

نمبر شمار	صوبہ	کارروائیوں کی تعداد	فدائی حملے	دشمن کے مالی اور جانی نقصانات: صلیبیوں کی اموات	صلیبیوں کے زخمی	ایجنٹوں کے مقتولین	ایجنٹوں کے زخمی	فوجی گاڑیوں اور ٹینکوں کی تباہی	عام شہریوں اور مجاہدین کی جانی نقصانات: مجاہدین کے شہداء	مجاہدین کے زخمی	گاڑیوں کی تباہی
1-	قندھار	69		1	0	154	36	43	1	5	
2-	ہلمند	154		3	2	228	154	37	5	6	
3-	زابل	44		1	2	96	31	18	6	6	
4-	روزگان	21		1	0	131	4	9	1	6	
5-	ہرات	42		0	0	111	78	10	5	7	
6-	فراہ	54		0	0	188	51	39	13	25	1
7-	بادغیس	34		0	0	91	114	14	3	15	
8-	نیمروز	20		0	0	7	2	4	2	2	
9-	غور	11		0	0	17	15	0	2	3	
10-	فاریاب	42		0	0	81	57	8	2	13	
11-	کونڑ	16		0	0	0	7	0	0	0	
12-	نورستان	4		0	0	2	2	1	0	0	
13-	غزنی	62		4	5	297	134	40	2	6	
14-	خوست	18		0	0	28	19	2	0	0	
15-	میدان ورگ	19		0	0	74	1	3	2	3	
16-	لوگر	28		0	0	67	13	17	0	0	
17-	کاپیسا	15		0	0	33	12	2	0	0	
18-	پکتیا	25		0	0	27	11	1	0	0	
19-	پکتیکا	10		0	0	12	6	1	0	0	
20-	ننگرہار	26		0	0	43	21	6	6	1	
21-	لغمان	15		0	0	18	6	2	0	0	
22-	کابل	16	١	16	21	35	64	11	5	0	1
23-	پروان	12		0	0	0	7	2	0	0	
24-	قندوز	13		0	0	98	23	6	3	0	
25-	بغلان	11		0	0	15	11	7	0	0	
26-	تخار	8		0	0	34	20	5	0	0	
27-	سمنگان	3		0	0	0	4	1	0	0	
28-	بدخشان	3		0	0	24	4	0	2	1	
29-	جوزجان	4		0	0	5	5	1	0	0	
30-	بلخ	15		0	0	28	31	7	0	0	
31-	بامیان	0									
32-	سرپل	7		0	0	15	14	0	0	0	
33-	دای کنڈی	5		0	0	11	3	0	0	1	
34-	پنج شیر										
	مجموعہ	826	1	26	30	1970	960	297	60	100	2

SHARIAT

Monthly Islamic Magazine

7 th Year December 2018

جہاد کا موسم اور غنیمتوں کی بہار